قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۷ شمارہ: ۴
ربیع الثانی: ۱۴۴۵ھ - نومبر: ۲۰۲۳ء
قیمت فی شمارہ: ۶۰ روپے، زرِ سالانہ: ۶۵۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول
مولانا سیّد سُلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات''، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرونِ ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: 92-21-34919531 +
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

حماس کا طوفان الاقصیٰ آپریشن	۳	
پاکستان میں دہشت گردی کی تازہ لہر	۷	محمد اعجاز مصطفیٰ
افغانستان میں قیامت خیز زلزلہ	۸	

مقالات ومضامین

مکاتیب حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاںؒ بنام حضرت بنوریؒ	۹	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
موجودہ معاشی بحران اور اُس کے رفع کرنے کی تدابیر	۱۳	مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ
آثار السنن پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حواشی وتعلیقات		
''الإتحاف لمذهب الأحناف'' ایک بیش بہا علمی تحفہ	۲۴	مولانا محمد منظور نعمانیؒ
ارضِ مقدس پر یہود کے حقِ تملیک کے قرآنی استدلال کا جائزہ	۲۸	مفتی سمیع الرحمٰن
عصرِ حاضر اور بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت	۳۶	ڈاکٹر ساجد خاکوانی
اہلِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ (تیسری اور آخری قسط)	۴۴	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

یادِ رفتگاں

مولانا سید محمد شاہد سہارن پوریؒ کی رحلت	۵۹	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

خواتین کی آواز کا پردہ	۶۱	ادارہ

نقد ونظر

کامیاب انسان	۶۳	ادارہ

حماس کا طوفان الاقصیٰ آپریشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء صبح تقریباً ۵ اور ۶ بجے کے درمیان حماس کے مجاہدین نے فضائی، سمندری اور زمینی تینوں راستوں سے اسرائیل پر حملہ کیا۔ میڈیائی ذرائع کے مطابق غزہ کی سرحد پر موجود باڑ ہٹا کر فلسطینی مجاہدین زمینی راستے سے اسرائیل کے شہر اشکلون سمیت تقریباً آٹھ شہروں میں داخل ہوئے اور ان میں موجود فوجی چھاؤنیوں اور ان کی چیک پوسٹوں کا کنٹرول سنبھال لیا، جب کہ سمندری راستے اور پیرا گلائیڈرز کی مدد سے بھی حملہ کیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق حماس کے مجاہدین نے چندمنٹ میں پانچ ہزار سے زائد راکٹ اسرائیل پر برسائے، جس سے اسرائیل حواس باختہ ہوگیا۔ حماس نے اسرائیل کے درجنوں فوجی افسران کو بھی یرغمال بنالیا، جس میں بریگیڈیئر جنرل، لیفٹیننٹ جنرل، ان کے انٹیلی جنس چیف اور نیوی کے سرکردہ سربراہان شامل ہیں۔ اسرائیل سمیت پوری دنیا کو یہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ دنیا کی طاقت ور ترین اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس فوج اور انٹیلی جنس نیٹ ورک کو حماس نے کیسے ناکام کردیا اور اتنی بڑی منظم اور کامیاب کارروائی کرنے میں کیسے کامیاب ہوگیا، جسے اسرائیل خود ۱۱/۹ قرار دے رہا ہے۔ اس کارروائی کے نتیجے میں اسرائیل کو ابتدا میں سنبھلنے تک کا موقع نہیں ملا، اس کا انٹیلی جنس نظام اور دفاعی سسٹم مکمل طور پر ناکام رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ دنیا کا طاقت ور ترین اور بہترین میزائل شکن سسٹم

اسرائیل کے پاس ہے، جو اس اچانک اور یکدم راکٹ حملوں کے سامنے مٹی کا ڈھیر ثابت ہوا۔

اخبارات کے مطابق اب تک اسرائیلی فوج کے اڈوں اور دوسرے ٹھکانوں پر حملوں کے نتیجے میں ۹۰۰ سے زائد صہیونی ہلاک جب کہ ۶۸۷ نہتے فلسطینی شہری شہید ہو چکے ہیں۔ اسرائیلی فضائیہ مدت سے محصور علاقے غزہ میں شہری آبادی، حماس کے مفروضہ ٹھکانوں، مساجد، اسکولوں، ہسپتالوں حتیٰ کہ ایمبولینسوں کو نشانہ بنا رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ پورے غزہ کا محاصرہ کر کے بجلی اور پانی جیسی ضروریاتِ زندگی کو معطل اور مصر کے رفاہ بارڈر کو بند کر دیا ہے، جس کا نقصان یہ ہے کہ ہر قسم کی غذائی اجناس غزہ میں آنا رُک گئی ہیں، گویا غزہ بالکل جیل نما بن چکا ہے۔ اسرائیل تمام جنگی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر غزہ میں جہاں کہیں اجتماع دیکھتا ہے یا کوئی بڑی بلڈنگ اسے نظر آتی ہے، وہاں بمباری کر رہا ہے۔

اب اسرائیل کو جنگ بندی کی اس لیے بھی جلدی پڑ گئی ہے کہ اس کے اتنے فوجی افسران پکڑے گئے ہیں، جس کی وجہ سے عوام کا اس پر دباؤ ہے، جب کہ حماس کے مجاہدین نے جنگ بندی کو یکسر مسترد کر دیا ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ اسرائیل آبادیوں پر بمباری بند کر دے، ورنہ ان کے قیدی فوجیوں کو سب کے سامنے ایک ایک کر کے قتل کیا جائے گا۔ اخبارات کے مطابق اسرائیل نے یہ بھی حماقت کی ہے کہ بدحواسی میں اس نے لبنان پر بمباری کی ہے اور اس کے ردِعمل میں حزب اللہ بھی اسرائیل کے خلاف لڑنے کے لیے کھڑی ہوگئی اور میدان میں آ گئی ہے۔

حماس کے ترجمان خالد قدومی نے کہا ہے کہ: ''دہائیوں پر مشتمل اسرائیلی مظالم کے خلاف ہم نے فوجی کارروائی کی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ عالمی برادری غزہ میں فلسطینیوں کے خلاف ہمارے مقدس مقامات جیسے الاقصیٰ پر ہونے والے مظالم بند کروائے اور یہی مظالم جنگ شروع کرنے کی وجہ ہیں، یہ زمین پر آخری قبضے کو ختم کرنے کی سب سے بڑی جنگ کا دن ہے۔''

اس موقع پر جمعیت علمائے اسلام کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے فلسطینیوں کے موقف کی حمایت کرتے ہوئے جہاں پوری پاکستانی قوم سے فلسطینیوں کی حمایت کی اپیل کی ہے، وہاں انہوں نے اقوام متحدہ اور عالمی برادری کو بھی جھنجھوڑا ہے اور کہا ہے کہ:

''ایک روز قبل فلسطینی مجاہدین نے اسرائیل پر جو حملہ کیا ہے، یہ حملہ بہت تاریخی کامیابی ہے، میں اس کو ایک تاریخی معرکہ سے تعبیر کرتا ہوں، جن علاقوں پر انہوں نے قبضہ کیا ہے، یہ ان کے اپنے علاقے ہیں اور اپنے علاقے انہوں نے واپس لیے ہیں۔ اس حوالے سے میں فلسطین کی عوام کو اور فلسطین کے مجاہدین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ دنیا نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ فلسطین اور فلسطین کا مسئلہ اور فلسطینیوں کا موقف وہ ابدی نیند

سو چکا ہے، اب فلسطین کا موضوع دوبارہ نہیں اُٹھ سکے گا اور ناعاقبت اندیشوں نے دنیا میں یہ بات پھیلائی اور ہمارے ہاں ایک طبقہ اور ایک عنصر پیدا ہوا جس نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے موضوع کو ترجیح دلائی، اس کی اہمیت سے لوگوں کو متاثر کرنے کی ناکام کوشش کی، میں سمجھتا ہوں کہ آج اس معرکے نے فلسطین کے مسئلے کو زندہ ہی نہیں کیا' ثابت کیا ہے کہ فلسطین کا مسئلہ مرا نہیں اور آج اس کی اہمیت آسمانوں کو چھو رہی ہے۔

اس حملے میں اسرائیل کے پورے دفاعی نظام کو ناکام بنادیا گیا ہے، ان کے کمنڈ کو زمین بوس کردیا گیا ہے، ان کی انٹیلی جنس کو ناکام بنادیا ہے۔ دنیا کو یہ حقیقت تسلیم کرلینی چاہیے کہ اسرائیل کوئی قوت نہیں، اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے اور اس قوت کو جس انداز سے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے، یہ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کررہا ہے۔ میں ساتھ ہی یہ بات بھی اپنے فلسطینی بھائیوں سے اور مجاہدین سے کہوں گا کہ وہ انسانی حقوق کا احترام کریں، اسے تحفظ دیں، اس کا لحاظ رکھیں، بچوں، عورتوں اور عام شہریوں کو گزند نہ پہنچائیں، ان کی زندگیاں تلف نہ کریں اور دنیا کو بتائیں کہ اسرائیل اور صہیونی جنہوں نے فلسطینیوں کی نسل کشی کی، ان کے بچوں کو قتل کیا، ماؤں کے سامنے قتل کیا، والدین کے سامنے قتل کیا، اور کوئی احترامِ آدمیت انہوں نے نہیں دکھائی، آج ہمیں اس کے بدلے میں یہ ثابت کرنا چاہیے کہ اسلام اور مسلمان کس طرح انسانی حقوق کا تحفظ کرتا ہے، اس حوالے سے ہم ضرور فلسطینیوں سے یہ اپیل کریں گے کہ وہ انسانی حقوق کے تحفظ میں بھرپور کردار ادا کریں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اقوامِ متحدہ بھی اپنا فرض پورا کرے، ۱۹۶۷ء کی قراردادوں پر عمل درآمد کرائے، بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالے کرے اور اس کو فلسطین کا دارالخلافہ تسلیم کرے۔ ہم اس حوالے سے جو بھی اپنا موقف رکھتے ہیں، اس حوالے سے ہم ایک او آئی سی کا بھرپور اور فوری اجلاس بلانے کا مطالبہ کرتے ہیں، اس میں ہمارے دوست ملک انتہائی قابلِ احترام سرزمین سعودی عرب سے بھی بھرپور کردار ادا کرنے کی ہم توقع رکھتے ہیں، وہ فوری طور پر او آئی سی کا اجلاس بلائے۔ پاکستان کی گورنمنٹ فوری طور پر اس حوالے سے کردار ادا کرے، تاکہ اسلامی دنیا بیٹھ کر اس نئی معروضی صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے ایک نئے زاویۂ نظر کے ساتھ اپنے موقف کا تعین کرے، اور مشرقِ وسطیٰ میں امن کے قیام کو یقینی بنانے کے لیے منصوبہ بندی کرے۔ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جب تک فلسطین کو تسلیم نہیں کیا جاتا، فلسطینیوں کو اس کی سرزمین نہیں دی جاتی، کبھی بھی مشرقِ وسطیٰ میں امن نہیں آسکتا۔ اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیے اور اسی بنیاد پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنے رویوں پہ نظر رکھنی چاہیے، عرب دنیا کو بھی، پوری اسلامی دنیا کو بھی، اور میں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ اگلے جمعہ ان شاء اللہ العزیز پورے ملک میں فلسطینیوں کے ساتھ یکجہتی کا دن منایا جائے گا۔

پورے ملک کے عوام، پاکستانی قوم اس حوالے سے میدان میں آئے اور اسلامی وحدت کا ثبوت

پیش کرے کہ اسلام ایک دین ہے اور مسلمان ایک جسم ہیں اور جسم کے کسی حصے میں بھی اگر کوئی تکلیف ہے تو اس کا احساس پوری دنیا کا مسلمان کررہا ہے۔ پاکستانی قوم اس حوالے سے ان شاء اللہ! اپنا کردار ادا کرے گی، اپنی رائے دے گی، یکجہتی کا مظاہرہ کرے گی اور جمعے کو جمعہ کی نماز کے بعد پورے ملک میں ان شاء اللہ العزیز! اس حوالے سے یکجہتی کا دن منایا جائے گا، بھرپور مظاہرے کیے جائیں گے۔ میں اس حوالے سے پوری قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ یکجہتی کے اس دن کو بھرپور طور پر کامیاب بنائے۔‘‘

اس موقع پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اکابرین نے عالمِ اسلام سے اپنے فلسطینی بھائیوں کی حمایت کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

’’کراچی (اسٹاف رپورٹر) وفاق المدارس العربیہ کے اکابرین نے عالمِ اسلام سے فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کی اپیل کردی۔ قائدین نے مسجدِ اقصیٰ اور فلسطین کا مسئلہ مستقل بنیادوں پر حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ دور میں ظلم وستم اور جبر کے ذریعہ نہ کسی کو غلام بنایا جاسکتا ہے اور نہ کسی سرزمین پر قبضہ کیا جاسکتا ہے، اس لیے فی الفور مسجدِ اقصیٰ اور فلسطین کی آزادی کا اعلان کیا جائے، ملک بھر کے مسلمان مظلوم فلسطینی بھائیوں کے لیے خصوصی دعائیں اور ہر ممکن تعاون بھی کریں۔ وفاق المدارس کے صدر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا انوار الحق، مولانا محمد حنیف جالندھری اور دیگر نے اپنے بیان میں کہا کہ مسلم حکمرانوں اور مسلم معاشروں پر اپنے اپنے دائرہ کار کے حساب سے ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ تمام مسلمانوں کو فلسطین کے معاملے میں اپنا بھرپور اور مؤثر کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے عالمی برادری پر زور دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ فلسطین کا مسئلہ مستقل بنیادوں پر حل کیا جائے، بصورتِ دیگر دنیا کا امن وامان ہمیشہ داؤ پر لگا رہے گا۔ قائدین نے فلسطینی مظلوم مسلمانوں کی مدد ونصرت، شہداء کے درجات کی بلندی اور زخمیوں کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا بھی کی۔‘‘ (روزنامہ امت، ۱۰/اکتوبر ۲۰۲۳ء)

مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے عرب ممالک اور دوسرے مسلم ممالک کو ایک ساتھ آگے آنا چاہیے اور کوئی روڈ میپ تیار کرنا چاہیے، کیونکہ بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ صرف فلسطین کا مسئلہ نہیں، بلکہ دنیا بھر کے عوام، حقوقِ انسانی کے علَم برداروں، حقوقِ انسانی کے کارکنان اور تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور اسے حل کرنا ہر ایک انسان کی بنیادی ذمہ داری ہے، کیونکہ یہ پوری انسانیت کا مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے ہمارے ادارتی مضمون (مطبوعہ: ماہنامہ بینات محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ستمبر ۲۰۲۰ء) بعنوان ’’اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا جذباتیت ہے یا حقیقت پسندی؟‘‘ کا مطالعہ کرنا مفید رہے گا۔

پاکستان میں دہشت گردی کی تازہ لہر

جمعیت علماء اسلام کے مرکزی راہنما مولانا حافظ حمد اللہ صاحب حفظِ قرآن کے بچوں کی دستار بندی کی تقریب میں شرکت کی غرض سے مستونگ کے قریب سے گزر رہے تھے تو ان پر بم دھما کا کیا گیا، جس سے گاڑی میں موجود چاروں افراد زخمی ہو گئے، گاڑی بالکل تباہ ہوگئی اور ایک کوسٹر جو قریب سے گزر رہی تھی، وہ بھی تباہ ہوگئی اور اس کے کئی سوار بھی زخمی ہوئے۔ پھر کچھ دن کے بعد مدرسہ عربیہ اسلامیہ اسکاؤٹ کالونی کراچی کے سامنے بیٹھے ایک باریش دین دار شخص کو شہید کیا گیا، اور ایک گولی مدرسہ کے چوکیدار کو بھی جا لگی۔ اس کے بعد کراچی کے معروف عالمِ دین اور اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے راہنما مولانا ضیاء الرحمٰن مدنیؒ مدیر جامعہ ابی بکر کو شہید کیا گیا۔ پھر مستونگ میں ۱۲ ربیع الاول کے جلوس پر خودکش حملہ کیا گیا، جس میں ۵۹ افراد شہید اور ۶۵ زخمی ہو گئے۔ اسی طرح ہنگو میں اسی دن جمعہ نماز کے موقع پر خودکش حملہ کیا گیا، جس سے ۵ نمازی شہید اور ۱۲ سے زائد افراد زخمی ہو گئے۔ اسی طرح کچھ دن بعد مدرسہ تعلیم الاسلام گلشنِ عمرؓ سہراب گوٹھ کراچی کے پاس مین روڈ پر فائرنگ سے جامع مسجد ابوبکر پورٹ قاسم کے نائب امام مولانا قیصر فاروق شہید اور جامعہ امام محمد کے طالب علم عمر فاروق زخمی ہو گئے۔

گویا بلاتفریق تمام مکاتبِ فکر کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، جو بہت افسوسناک اور لمحۂ فکریہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مکاتبِ فکر دہشت گردی کے خلاف متحد ہو کر اس کی روک تھام کے لیے کردار ادا کریں۔ حکومت سے بھی مطالبہ ہے کہ وہ اس پر غور وفکر کرے کہ صرف دینی اور مذہبی حضرات ہی کیوں دہشت گردی کا نشانہ بنائے جا رہے ہیں؟ اور ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ان دہشت گردوں کو گرفتار کرے، ان کو عبرت ناک سزا دے اور تمام مذہبی قائدین اور راہنماؤں کی حفاظت کا مناسب اقدام کرے۔

افغانستان میں قیامت خیز زلزلہ

افغانستان میں ہفتہ کو آنے والے ۶.۳ شدت کے قیامت خیز زلزلے سے ۱۳ دیہات ملیامیٹ ہو گئے، جب کہ اموات ۲۰۰۰ سے تجاوز کر گئیں، جب کہ ۹۰۰۰ سے زائد افراد زخمی ہیں۔

افغان حکام کے مطابق زلزلے سے ہرات کے دو اضلاع میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلی، عینی شاہدین کے مطابق پہلے ہی جھٹکے میں کئی مکانات ملبے کا ڈھیر بن گئے۔ بیشتر لوگوں کو گھروں سے نکلنے کا موقع

تک نہیں ملا۔ متعدد افراد ملبے تلے دبے ہوئے ہیں، جس کے باعث ہلاکتوں میں اضافے کا خدشہ ہے۔

جب کہ اتوار کے روز بھی افغان صوبے بادغیس اور فراہ میں آفٹر شاکس محسوس کیے گئے، جس کے باعث لوگوں میں خوف وہراس پھیل گیا اور وہ گھروں سے نکل آئے۔

طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے ایکس پر لکھا کہ قدرتی آفات سے نمٹنے کی وزارت کے اعداد وشمار کے مطابق ہرات کے ۱۳ دیہات میں ۱۳۰۰ کے قریب مکانات مکمل طور پر تباہ ہو چکے ہیں۔ وزارتِ آفات کے مطابق افغانستان میں زلزلے سے اموات کی تعداد ۲۰۵۳ ہوگئی ہے، جب کہ ۹۲۴۰ افراد زخمی ہیں۔ حکام کا کہنا ہے کہ زخمیوں کی مدد کے لیے ڈاکٹرز اور طبی سہولیات کافی نہیں ہیں۔

حکومتِ پاکستان نے بھی اعلان کیا ہے کہ اس حادثہ میں ہم افغانستان کی حکومت کے ساتھ رابطے میں ہیں اور ان شاء اللہ! بہت جلد اپنی امدادی ٹیمیں اور ضروریاتِ زندگی افغانستان روانہ کردی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ تمام زلزلہ زدگان کی شہادت کو قبول فرمائے اور زخمیوں کو جلد صحت یابی نصیب فرمائے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علٰی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

جامعہ کے استاذ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

جامعہ کے استاذ اور قدسی مسجد جمشید روڈ کے امام وخطیب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کافی عرصہ علیل رہنے کے بعد ۲۴ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/اکتوبر ۲۰۲۳ء منگل اور بدھ کی درمیانی شب انتقال فرما گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی. اللّٰھم اغفر لہٗ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وأکرم نزلہٗ ووسع مدخلہٗ .آمین

آپؒ کی نمازِ جنازہ جامعہ میں بروز بدھ بعد نمازِ ظہر حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی صاحب مدظلہٗ کی اقتداء میں ادا کی گئی، اور پاپوش نگر قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

تفصیلی مضمون ان شاء اللہ بعد میں لکھا جائے گا۔

قارئینِ بینات سے حضرت مولانا کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جوہانس برگ، بکس نمبر: ۵ ۱۴؍ اگست سنہ ۵۸ء، جمعرات

محمد بن موسیٰ میاں عفا اللہ عنہما

مخدوم محترم مولانا محمد یوسف بنوری صاحب دامت برکاتکم و عمّت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے تینوں مکتوبِ گرامی شرف بخش ہوئے تھے، مسلسل قصد تھا کہ جوابات جلد عرض کروں، لیکن ذہن میں کوئی خاص صورتِ عمل نہیں طے ہوسکی، اس لیے تاخیر ہوتی رہی، اب نورِ چشم حافظ ابراہیم سلمہٗ کے خط سے آپ کی ناسازیِ صحت کا کچھ حال معلوم ہوکر تشویش ہوئی کہ برسوں سے جن چند مخلصانہ گزارشوں کو عرض کرنے کے لیے جی چاہتا تھا اور ہمت نہ ہوتی تھی، ان گزارشوں کو جلد عرضِ خدمت کردوں، اُمید (ہے) کہ اس عریضہ کے پہنچنے تک آپ کی صحت بحال ہوگئی ہوگی، اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر دین کی خدمتوں کے لیے بصحت وعافیت سلامت باکرامت رکھے۔ پہلے بار بار مدرسہ عربیہ (حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) کا حال دریافت کرتا رہا، جو بھی ملخّص ومختصر حالات معلوم ہوئے، اس سے یہ معلوم ہوکر فکر ہوئی کہ آپ کے سر بہت سی غیر علمی ذمہ داریاں آپڑی ہیں، اور کام بھی پھیلتا ہی جارہا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ آپ دفتری وانتظامی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوکر خالص تدریسی وتصنیفی کاموں میں بےفکری سے لگ جاتے، اور مدرسہ کے کاموں کو بجائے وسیع کرنے کے مختصر رکھتے۔ ملاقات کے وقت بھی کچھ ایسی ہی گزارشیں کی تھیں کہ درسِ قرآن وحدیث کے دو تین اسباق ہوں، اور بقیہ وقت تصنیفی وعلمی کاموں کے لیے صرف ہو۔ اب بھی یہی گزارش ہے کہ اور دعا

بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ صورت میسر فرمادے۔ جو کام آپ اس میدان میں کرسکتے ہیں، وہ بظاہر دوسروں کے لیے مشکل ہے، اور مدرسہ کے کام تو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی نگرانی میں اور بھی بہت سے کرلیں گے۔ ع ''ہرچہ گیرید مختصر گیرید!''

مجلسِ علمی میں آپ کو جو بھی صورت پسند ہو، تجویز فرماکر کام کے لیے وقت نکالیں، حقِ خدمت ومعاوضہ یا شہریہ کے لیے جو بھی مناسب و پائیدار صورت نکلے گی، ان شاء اللہ مجلسِ علمی اسے بخوشی قبول کرلے گی۔ مجلس کے کام سے آپ بخوبی واقف ہیں، اور اس عاجز کو آپ پہلے سے جانتے ہیں، اس لیے آپ کا جو بھی عندیہ ہو، ضرور سوچ کر تحریر فرمائیں۔ نہ صرف مصنف عبدالرزاقؒ کا کام سامنے ہے، بلکہ الحمدللہ اور بھی مغانم وخزائن پاس آرہے ہیں، اور سب ہی مخلصانہ خدمتوں کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اگر یہ خدمت ہم عاجزوں سے لینی منظور ہو تو وہی اپنے فضل سے کوئی بہتر صورت مقدر فرمادیں گے۔ آپ اس کام کے لیے ضرور ہمت فرمائیں، واللہ الموفّق!

آپ نے نورِ چشم حافظ ابراہیم میاں سلمہ کی تعلیم کے لیے جو تجویز مقرر فرمائی ہے، وہ بہتر اور مناسب ہے، واللہ یجزیکم خیرًا، ان کے لیے اور اس فقیر کے لیے ضرور دعائیں فرمائیں۔ نورِ چشم عبداللہ میاں سلمہٗ کو آپ کے پاس رہ کر علمی وعملی دونوں فائدے ہوئے، اس کے لیے بھی شکرگزار ہوں۔ حضرت والد صاحب (مولانا محمد زکریا بنوری رحمہ اللہ) کی معذوری کا حال معلوم ہوکر صدمہ ہی صدمہ ہوا، اچھا ہوتا کہ جو وہ آپ کے پاس ہی رہ سکتے، کیا بھائی محمد قاسم سلمہٗ ان کی خدمت میں نہیں رہتے؟! ان کی خدمت میں سلام مسنون عرض کردیں، اور دعا کی درخواست بھی! اب تو عزیز القدر محمد (بنوری) سلمہٗ بڑے ہوگئے ہوں گے، اور گھر کے چشم و چراغ ہوں گے، اللہ تعالیٰ انہیں آپ والدین واقرباء کے لیے قرۃ العیون بنائے رکھے۔ امید ودعا (ہے) کہ گھر میں اہلیہ محترمہ سلمہا کی صحت اب اچھی رہتی ہوگی، پہلے علالت کی اطلاع سے تشویش ہوئی تھی۔ یہاں گھر میں سے ان کے لیے اور عزیزہ عائشہ (صاحب زادی حضرت بنوری رحمہ اللہ) کے لیے سلام مسنون عرض کرتی ہیں۔ والسلام واللہ یحفظکم

عاجز محمد بن موسیٰ میاں عفا اللہ عنہما

بقلم احقر الوری ابو مسعود صالح ابن محمد منگیرا کان اللہُ لھما ربُّ العُلی (دعا گو ودعا خواہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم الخمیس ۲۸ رمحرم الحرام سنہ ۱۳۷۸ھ

۲۲ رجنوری سنہ ۱۹۵۹ء

محبی ومخلصی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری سلّمکم اللہ تعالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مورخہ ۱۵؍نومبر اور ۲۵؍جمادی الاولیٰ کے دونوں کرم ناموں نے مشرف فرمایا، خیریت معلوم ہوکر الحمدللہ اطمینان ہوا۔ یہاں بھی بفضلہٖ تعالیٰ خیر وعافیت ہے، مرحوم مولانا محمد طاہر قاسمی (بظاہر برادرِ مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ) کے اہلِ بیت کے لیے آپ نے خصوصی خیال فرما کر توجہ دلائی، اس کے لیے بہت شکرگزار ہوں، والله يزيدكم في حسناتكم!

(۱) آپ سے بہت قریبی تعلقات کی وجہ سے اور آپ کی ناسازگیِ طبیعت کی پریشان کن خبر سے اضطرارًا کچھ باتیں جو اس وقت سمجھ میں آئی تھیں، آخری عریضہ میں بصد خلوص واحترام عرض کردی تھیں، ورنہ مجھ عاجز کے لیے آپ کو دینی وعلمی کاموں میں مشورہ دینا بہت مشکل تھا، یہ چاہا گیا تھا کہ آپ کے کچھ بوجھ محض صحت کی حفاظت کے خیال سے کم ہوں، ورنہ مجھے الحمدللہ یقین ہے کہ آپ کی پوری ہمدردی اور توجہ، مجلسِ علمی کی طرف ہمیشہ کی طرح اب بھی لگی ہوئی ہیں، اگر اس عریضہ میں کوتاہیِ تعبیر سے کوئی گرانی ہوئی ہو تو حسبِ سابق اب بھی درگزر فرمادیں، ولكم الفضل والمنة!

(۲) جدید تدوینِ فقہ کے لیے آپ نے جو توجہ اور تاکید فرمائی ہے، وہ برمحل ہے، دوسرے اسلامی ممالک کے اہلِ علم سے بھی اس قسم کے تقاضے اُٹھ رہے ہیں۔ اچھا ہوا آپ نے مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی اور صدر مدرس قاسم العلوم ملتان (بظاہر مفتی محمود رحمہ اللہ) کی نشان دہی فرمائی، یہ لوگ آپ کی نگرانی میں ان شاء اللہ ضرورت کے کام انجام دے سکیں گے، زیادہ تفصیل معلوم کرنے کی اس لیے ضرورت ہے، اور درخواست تھی کہ مالی جواب داری کا صحیح اندازہ ہوسکے، اور اس کی فراہمی پہلے سے ہوجائے۔ دونوں حضرات کس مشاہرہ پر راضی ہوں گے؟ اور کام کا سہ سالہ منصوبہ کیا ہوگا؟ مشاہروں کے علاوہ اور کونسے مصارف آئیں گے؟ ایک صحیح اندازہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔ آپ کے ذہن میں جو کچھ تفصیل وتشکیل ہو، تھوڑا سا وقت نکال کر تحریر فرمادیں، والله يجزيكم خيرًا۔

(۳) گزشتہ سالوں میں ''العرف الشذي'' کی تکمیل کے لیے درخواست کی گئی تھی، پھر یہ سلسلۂ خط وکتابت منقطع ہوگیا، ترمذی شریف کے اساتذہ وطلبہ اس کے بہت محتاج ہیں، اور اس کام کو صرف حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کا کوئی تلمیذ ہی بخوبی کرسکتا ہے، کام بھی مختصر ہے، لیکن کسی سے -إنا لله- نہیں ہو پاتا، آپ ازسرِنو ہمت فرمائیں تو آپ کے کرنے کا کام ہے، مدرّسین وطلبۂ حدیث پر ایک بڑا احسان ہوگا۔ ابتداءً تو آپ کا بھی یہی قصد تھا، لیکن پھر کام کی وسعت نے ''معارف السنن'' کی شکل اختیار کرلی، یہ دراصل کام کے دو مرحلے ہونے چاہیے تھے، کام بے قابو ہوکر دونوں مرحلے ناتمام ہی

رہے، جس کا اس عاجز کو صدمہ وافسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اگر آپ متوجہ ہوئے تو سال بھر میں یہ کام بآسانی ہوسکتا ہے، اور مجلسِ علمی کی ایک ممتاز خدمت ہوگی۔

(۴) الحمدللہ مجلسِ علمی میں آپ کا بڑا حصہ رہا ہے، اور ان شاء اللہ آئندہ بھی آپ کا تعلق اس سے گہرا رہے گا، اس دورِ جدید میں عزیزم مولانا سید محمد طاسین صاحب سلمہٗ کا تقرر آپ کے ایماء سے ہوا تھا، اور الحمدللہ بارآور ہورہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے رشتے کا تعلق بھی مقدّر فرمادیا، لیکن اس کے باوجود مجلس کے لیے آپ کی توجہات کو اگر ثانوی حیثیت رکھنی پڑے تو آپ کو اور اس عاجز کو اس سے تشفی نہ ہوسکے گی۔ اگر آپ دو چار اسباق پڑھا کر اور دفتری ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد دن کا آخری اور بقیہ حصہ مجلس کو دے بھی دیں تو آپ کا دل اس سے کبھی راضی نہ ہوگا۔ باقی رہا خدمت کا تعلق وہ تو ان شاء اللہ ہمیشہ کی طرح آپ سے مخلصانہ ہی رہے گا، اس عاجز کے لیے اس شامِ زندگی میں معاملات کی صفائی وپختگی اس لیے ضروری ہے کہ بعد والے کام کو نباہ کر آگے چلا سکیں، آپ سے بھی جو درخواستیں ہوئی ہیں، اس میں اولین مقصد یہ رہا ہے کہ کام قابو میں اور تخمینوں کے اندر سما جائیں، اور بارآور ہوں، جن کاموں کی طرف آپ کو بلایا جارہا ہے، اس کی بہت زیادہ مقبولیت نہیں، قدر شناسوں کا حلقہ مختصر ہی رہے گا، اور یہ تو تدوینِ فقہ کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والے بہت تھوڑے ہوں گے، لیکن ان دو کاموں کا نفع ونتیجہ تو ہر خاص وعام کو ان شاء اللہ ضرور ہوگا، آپ ان معاملات میں اس فقیر کو فریق نہ سمجھیں، شریک وسہیم ہونے کی حیثیت سے غور فرمائیں، ان شاء اللہ! اکثر اشکالات ودغدغے دور ہوجائیں گے، واللہ الموفّق!

ریڈیو واخبارات سے پاکستان کے سیاسی ومعاشرتی حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں، الحمدللہ اقتدار والوں کی زبان سے بھی کبھی کبھی انابت الی اللہ وتوکل علی اللہ کی باتیں سنی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی تمام کوششوں کو کامیاب فرمائے، اور ان کو رضائے الٰہی کی مزید توفیق ہو، واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اچھا انقلاب پیدا فرمادیا، الحمدللہ ثم الحمدللہ! محترم والد صاحب (مولانا محمد زکریا بنوری رحمہ اللہ) اور گھر والوں کے لیے سلام مسنون عرض کردیں، عزیز محمد (بنوری) سلمہ کے لیے پیار ودیدہ بوسی۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ برادران حاجی احمد محمود یوسف سلمہما ونورِ چشم عبداللہ اسماعیل وغیرہ سلامِ مسنون عرض کرتے ہیں۔ والسلام

احقر محمد بن موسیٰ میاں عفا اللہ عنہما

بقلم عبدالرحمٰن بن ابراہیم میاں عفا اللہ عنہما

پس نوشت: ناکارہ عبدالرحمٰن کی جانب سے سلام مسنون قبول فرمائیں، اور دعا فرمادیں کہ باری تعالیٰ اپنی مرضیات میں مشغول رکھے، اور منکرات سے محفوظ رکھے۔ والسلام

موجودہ معاشی بحران اور اُس کے رفع کرنے کی تدابیر

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
سابق استاذِ حدیث، جامعہ

’’ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ.‘‘ (الروم:۴۱)

ترجمہ: ’’انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بر و بحر میں فساد برپا ہے، تاکہ خدا اُن کی کچھ بداعمالیوں کا مزا اُن کو چکھاوے، شاید وہ باز آجائیں۔‘‘

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کو تباہ وبرباد اور نظامِ معیشت کو درہم وبرہم کر دینے والی تمام تر خرابیوں اور بدکاریوں کی جڑ قومی معیشت میں ہوسِ زر اور اس کے نتیجہ میں پروان چڑھنے والی ’’زراندوزی‘‘ ہے، جس کو معاشیات کی اصطلاح میں اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کہتے ہیں۔

اسلام نے اس اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کی بیخ کنی کرنے اور دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے بچانے کی، یعنی سرمایہ کو متحرک رکھنے کی اور سمٹی ہوئی دولت اور منجمد سرمایہ کو گردش میں لانے کی تین تدبیریں تجویز کی ہیں:

① - اِنفاق ② - زکوٰۃ وصدقات واوقاف ③ - توریث ووصیت

اور زراندوزی کو جنم دینے اور پروان چڑھانے والے تین حرام ذرائع: ۱- سود اور سودی کاروبار، یعنی بینکاری۔ ۲- جوا، سٹہ اور بیمہ کاری۔ ۳- بیوعِ فاسدہ، یعنی ناجائز معاملات کو قطعاً حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ہم اول مذکورہ بالا تدابیر پر قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تفصیلی بحث کریں گے، اس کے بعد زراندوزی کو جنم دینے والے حرام ذرائع پر مفصل بحث کریں گے اور قومی معیشت میں ان کے متبادل صحیح طریق کار بتلائیں گے، ان شاء اللہ العزیز! تاکہ مکمل طور پر اسلام کا اقتصادی نظام سامنے آجائے۔

❶ - اِنفاق

منجمد سرمایہ اور زرا ندوز طبقہ

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

’’وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ.‘‘ (التوبہ:۳۴، ۳۵)

ترجمہ- ’’اور جو لوگ سونے، چاندی کو دبا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے نبی!) تم ان کو بشارت دے دو دردناک عذاب کی، جس دن اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو، پہلوؤں کو اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہی سونا چاندی تو ہے جو تم نے اپنے لیے دبا کر رکھا تھا، پس اب چکھو اس کو دبا کر رکھنے کا مزا۔‘‘

یہ آیتِ کریمہ اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ جو بھی سونا چاندی یعنی سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ نہ کیا جائے، یعنی ایک یا چند ہاتھوں میں جمع ہو کر جام ہو جائے، وہ کنز ہے اور اس کا اکتناز‘ حرام اور موجبِ عذابِ شدید ہے، لیکن جو سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جاتا رہے، یعنی مختلف ہاتھوں میں گردش کرتا رہے، آتا رہے، جاتا رہے، وہ خواہ کتنا ہی وافر کیوں نہ ہو، اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، جس کا شکر اللہ کے حکم کے مطابق اس کا اظہار یعنی خرچ کرنا ہی ہے، ارشاد ہے: ’’وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ‘‘ اور ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق وہ اکتسابِ خیرات وحسنات کے لیے بہترین معاون ہے، ارشاد ہے: ’’نعم العون المال الحلال.‘‘ (الحدیث)

اسلام‘ حکومت کو بھی اکتنازِ زر کی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ محاربات میں حاصل شدہ دشمنوں کے اموال (مالِ غنیمت) کو بھی - جو بظاہر خالص حکومت کی آمدنیاں ہیں - دوسرے عام انفاقات کی طرح غانمین اور فقراء ومساکین وغیرہ پر تقسیم کر دینے کا حکم دیتا ہے، قرآن عزیز کا حکم ہے:

’’وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ‘‘ (الانفال:۴۱)

ترجمہ: ’’اور یاد رکھو! جو کچھ بھی تم کو مالِ غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے اور رسول کے قرابت داروں کے واسطے اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ہے۔‘‘

چنانچہ کل مالِ غنیمت کے چار حصے غانمین -شریکِ جنگ مجاہدین- کے ہوتے ہیں اور پانچواں حصہ

مذکورہ بالا مدات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی چند دولت مندوں کو مزید دولت مند بنانے کا اختیار دیتا ہے، چنانچہ مالِ فئے -بغیر جنگ کیے دشمنوں کے حاصل شدہ اموال- کو مستحقین پر تقسیم کرنے کے حکم کے ذیل میں انجمادِ دولت کے خطرہ سے قرآنِ عظیم نے ذیل کے الفاظ میں متنبہ فرمایا ہے:

’’وَمَا أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۔‘‘ (الحشر:۷)

ترجمہ: ’’اور جو مال اللہ نے بستی والوں سے بغیر جنگ کیے اپنے رسول کو پہنچایا، پس وہ اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے اور اس کے قرابت داروں کے واسطے ہے اور یتیموں کے، محتاجوں کے، مسافروں کے واسطے ہے، تاکہ مال تم میں سے (صرف) وہ دولت مندوں کے درمیان ہی آنے جانے والا نہ ہوجائے۔‘‘

انفاق کے دو مرتبے

اس انفاق فی سبیل اللہ -اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہنے- کے دو درجے ہیں: ایک ادنیٰ، جس کے بعد جمع شدہ مال شرعاً کنز نہیں رہتا۔ دوسرا اعلیٰ جو عند اللہ مطلوب ہے۔ ادنیٰ درجہ کو حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

’’كل مال أدى زكاتهٗ، فهو ليس بكنز‘‘ (ترمذی، جلد اول)

ترجمہ: ’’ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی، وہ کنز نہیں ہے۔‘‘

اس کی تفصیل ہم زکوٰۃ کے ذیل میں بیان کریں گے۔ اعلیٰ مرتبہ کو قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

’’يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ۔‘‘ (البقرۃ:۲۱۹)

ترجمہ: ’’(اے نبی!) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا (یعنی کتنا) مال خرچ کریں؟ تم کہہ دو زائد مال (خرچ کرو)۔‘‘

باتفاقِ مفسرین صاحبِ مال کی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مال ’’عفو‘‘ کا مصداق ہے۔ انسان کی حاجاتِ اصلیہ کی تشخیص بھی قرآن عزیز میں بیان فرمائی ہے:

❶- حدِ اعتدال میں رہ کر حسبِ حال جائز زینت وآرائش کا سامان اور حلال ولذیذ غذائیں اور مشروبات۔ ارشاد ہے:

ا- ’’قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔‘‘ (الاعراف:۳۲)

ترجمہ: ’’(اے نبی!) تم کہہ دو، کس نے حرام کیا ہے اللہ کی (دی ہوئی) زینت کو جو اس نے اپنے

بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور حلال وعمدہ کھانے (پینے) کی چیزوں کو۔‘‘

۲- ’’یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ۔‘‘ (الاعراف:۳۱)

ترجمہ: ’’اے اولادِ آدم! لے لو اپنی آرائش (کے لباس) کو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ پیو اور (اس میں) بے جا خرچ مت کرو، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو۔‘‘

۳- ’’فَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اشۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ۔‘‘ (النحل:۱۱۴)

ترجمہ: ’’پس جو حلال وطیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔‘‘

❷- ستر پوش اور باوقار، سردی گرمی سے بچانے والا حسبِ ضرورت لباس

ارشاد ہے:

۱- ’’یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ۔‘‘ (الاعراف:۲۶)

ترجمہ: ’’اے آدم کی اولاد! ہم نے اُتاری تم پر پوشاک جو چھپائے تمہاری شرمگاہوں کو اور زینت کا لباس اور پرہیزگاری کا لباس تو سب سے بہتر ہے۔‘‘

۲- ’’وَّ جَعَلَ لَکُمۡ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمُ الۡحَرَّ وَ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمۡ بَاۡسَکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ۔‘‘ (النحل:۸۱)

ترجمہ: ’’اور (اللہ نے) بنا دیئے تمہارے کرتے جو بچاتے ہیں تم کو گرمی (سردی) سے اور ایسے کرتے (زرہیں) جو بچاتے ہیں تم کو لڑائی میں، اسی طرح اللہ پورا کرتا ہے تم پر اپنا انعام، تاکہ تم فرمانبرداری کرو۔‘‘

❸- حسبِ ضرورت رہنے کے لیے مکان اور اثاث البیت

۱- ’’وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُیُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَہَا یَوۡمَ ظَعۡنِکُمۡ وَ یَوۡمَ اِقَامَتِکُمۡ ۙ وَ مِنۡ اَصۡوَافِہَا وَ اَوۡبَارِہَا وَ اَشۡعَارِہَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ۔‘‘ (النحل:۸۰)

ترجمہ: ’’اور اللہ نے بنا دیئے تمہارے گھر تمہارے مسکن اور بنا دیئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر (چرمی خیمے) جو تم آسانی سے اٹھا لیتے ہو جب سفر میں ہوتے ہو اور جب قیام کی حالت میں ہو اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی پشم سے اور بکریوں کے بالوں سے گھروں کا سامان اور استعمال کی چیزیں تا حینِ حیات۔‘‘

قرآن حکیم کی یہ چند آیات بطور ’’گلے از گلزارے‘‘ ہم نے انتخاب کی ہیں، ان آیات میں

انسان کی تین مسلمہ بنیادی ضرورتوں: ۱- غذا، ۲- لباس، ۳- مسکن (مکان) اور ان کے لوازمات سے حسبِ استطاعت انتفاع کا حکم فرمایا ہے، بشرطیکہ اس میں اسراف (فضول خرچی) نہ ہو۔

عفو وفاضل مال کی تعریف

قرآن وحدیث کی تفصیلی تعلیمات کی روشنی میں علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کے حرفہ، معاشی مشغلہ اور منصب کے اعتبار سے حدِ اعتدال میں رہ کر مذکورہ بالا ہر سہ ضروریات اور ان کے لوازمات ہر شخص کی حوائجِ اصلیہ ہیں۔ حال وآل کے اعتبار سے جس قدر مال ان کے لیے ضروری ہو، اس سے جو مال ودولت فاضل ہو وہ عفو کا مصداق ہے۔ اس کو اللہ جل مجدہٗ کے تجویز کردہ مصارف ومدات میں خرچ کرتے رہنا انفاق فی سبیل اللہ کا اعلیٰ مرتبہ اور عند اللہ مطلوب ہے، اسی کے ذریعہ نظامِ معیشت اکتنازِ زر کے خطرہ سے قطعی طور پر محفوظ ومامون رہتا ہے، صحیح مسلم میں حدیث قدسی میں آیا ہے:

''قال اللہ تعالٰی: ابن آدم ! اَنفق أُنفق علیك، وقال: یمین اللہ ملأیٰ سحاء لایغیضھا شيء اللیل والنھار.'' (مسلم، ج:۱،ص:۳۲۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم کی اولاد! تو (جو میں نے دیا ہے) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہے، رات دن برس رہا ہے۔''

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت فرماتے ہیں:

''أنفقي ولاتحصي فیحصي اللہ علیك ولاتوعي فیوعي اللہ علیك.'' (مسلم، ج:۱،ص:۳۳۱)

ترجمہ: ''تم خرچ کیے جاؤ اور شمار نہ کرو کہ اللہ تم پر شمار کرنے لگے اور تھیلیوں میں جمع کر کے مت رکھو کہ اللہ بھی اپنی تھیلی کا منہ بند کرلے۔''

مصارف ومداتِ انفاق

قرآن حکیم نے اس انفاق کے مصارف ومدات بھی تجویز فرمادی ہیں، مگر یہ مصارفِ انفاق یقیناً مصارفِ زکوٰۃ کے علاوہ ہیں، اس لیے کہ مصارفِ زکوٰۃ وصدقات تو ''إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ'' کے عنوان سے قرآن حکیم نے مستقل طور پر بیان فرمائے ہیں۔ وجوہِ فرق زکوٰۃ کی بحث میں آتے ہیں۔

❶- ماں باپ، ❷- قرابت دار، ❸- یتیم، ❹- مسکین، ❺- مسافر، ❻- عام مصارفِ خیر

مقدارِ انفاق اور مصارفِ انفاق کے ذیل میں ارشاد ہے:

''یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْأَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَإِنَّ اللہَ بِهٖ عَلِیْمٌ۔'' (البقرۃ:۲۱۵)

ترجمہ: ’’وہ تم سے دریافت کرتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ تم ان سے کہہ دو: جو مال بھی تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ کے لیے اور قریب تر رشتہ داروں کے لیے، یتیموں، محتاجوں، مسافروں کے لیے (خرچ کرو) اور جو بھی نیک کام تم کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔‘‘

❼-سائل، ❽-غیر مستطیع مدیون

انواعِ بر کے ذیل میں ارشاد ہے:

’’وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔‘‘ (البقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: ’’اور مال دے اس کی محبت کے باوجود، رشتہ داروں کو، یتیموں کو، محتاجوں کو، مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔‘‘

واضح ہو کہ اس آیتِ کریمہ میں یہ انفاق زکوٰۃ کے علاوہ ہے، اس لیے کہ اداءِ زکوٰۃ کا ذکر تو اسی آیت میں مستقل عنوان ’’وَاٰتَی الزَّكٰوةَ‘‘ کے تحت فرمایا ہے۔

❾-ہمسایہ قریب، ❿-ہمسایہ بعید، ⓫-شریکِ حرفہ، ⓬-مملوک غلام کنیز

اس انفاق کا درجہ اللہ کی عبادت کے بعد ہے، ارشاد ہے:

’’وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔‘‘ (النساء:۳۶)

ترجمہ: ’’اور عبادت کرو اللہ کی اور شریک مت کرو اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں، محتاجوں کے ساتھ اور پاس کے پڑوسی کے اور دور کے پڑوسی کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے (شریک حرفہ) کے ساتھ اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہو (غلام کنیز یا نوکر خادم) ان کے ساتھ، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے، شیخی مارنے والے لوگوں کو۔‘‘

⓭-بیوی، ⓮-اولاد

شوہروں کو بیویوں پر فوقیت حاصل ہونے کی ایک وجہ معاشی کفالت ہے، ارشاد ہے:

۱-’’اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔‘‘ (النساء:۳۴)

ترجمہ: ’’مرد حاکم ہیں عورتوں پر، اس لیے کہ بڑائی دی اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) اور اس لیے کہ وہ (مرد) خرچ کرتے ہیں ان پر اپنے مال۔‘‘

۲-''وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔'' (البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ:''اور جس کا بچہ ہے، اس کے ذمہ ہے ان (دودھ پلانے والیوں) کی خوراک اور لباس (کا خرچ)۔''

⑮-حرب ودفاع ورفاہِ عامہ

قرآن حکیم سامانِ حرب ودفاع وغیرہ پر اموال خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنی موت بلانے کے مرادف قرار دیتا ہے، ارشاد ہے:

''وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔'' (البقرۃ:۱۹۵)

ترجمہ:''اور اللہ کی راہ میں (لڑائی میں) خرچ کرو اور اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو۔''

⑯-سائل، ⑰-غیر سائل

قرآن کریم انسان کے مال میں سائل وغیر سائل ہر دو کا حق تجویز کرتا ہے:

''وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔'' (الذاریات:۱۹)

ترجمہ:''اور ان (اللہ سے ڈرنے والوں) کے اموال میں حصہ ہے: مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (ضرورت مندوں) کا۔''

نیز نہ مانگنے والے باحمیت ضرورت مند کو مانگنے والے پر ترجیح دیتا ہے اور اربابِ اموال کو ایسے غیور ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد ہے:

''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔'' (البقرۃ:۲۷۳)

ترجمہ:''(وہ صدقات وخیرات) ان ضرورت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں (اپنی زندگی اللہ کے لیے وقف کردی ہے، اس لیے) وہ زمین میں (کاروبار کے لیے) سفر نہیں کرسکتے، نادان آدمی ان کو غنی سمجھتا ہے، تم ان کے چہروں سے ان کو پہچان لوگے (کہ یہ ضرورت مند ہیں) وہ نہ سوال کرتے ہیں، نہ اصرار۔''

بہرصورت سائل کو جھڑکنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتا ہے، بلکہ حکم دیتا ہے کہ اگر اللہ نے تم کو وسعت دی ہے تو اس کی ضرورت پوری کرکے شکرِ نعمت ادا کرو، ورنہ نرمی سے معذرت کردو، ارشاد ہے:

۱-''وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔'' (الضحیٰ:۱۰،۱۱)

ترجمہ:''مانگنے والے کو مت جھڑکو اور اپنے پروردگار کی نعمت کا اظہار کرو۔''

۲-''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا أَذًى وَاللهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۔'' (البقرۃ:۲۶۳)

ترجمہ: ’’بھلی بات کہہ دینا اور (سائل کی ترش کلامی کو) معاف کر دینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو۔‘‘

یہ اِنفاق کچھ مالداروں اور دولت مندوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر مسلمان خواہ خوشحال ہو، خواہ تنگدست‘ اپنی استطاعت کے مطابق اس کا مخاطب ہے، ارشاد ہے:

’’أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔‘‘ (آل عمران:۱۳۳، ۱۳۴)

ترجمہ: ’’وہ جنت تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے، جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگدستی میں بھی اور ضبط کرتے ہیں غصہ کو اور معاف کرتے ہیں لوگوں (کی خطاؤں) کو اور اللہ پسند کرتا ہے نیکوکاروں کو۔‘‘

جو لوگ ان رضا کارانہ طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، ان کے متعلق ارشاد ہے:

’’الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ۔‘‘ (التوبۃ:۷۹)

ترجمہ: ’’وہ لوگ جو طعنے دیتے ہیں ان ایمان والوں پر بھی جو دل کھول کر خیرات دیتے ہیں اور ان پر بھی جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت و مشقت (کی کمائی)، پس مذاق اُڑاتے ہیں ان کا، اللہ اُن کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

اس انفاق سے صرف وہ تہی دست لوگ مستثنیٰ ہیں، جن کے پاس دینے کے لیے بجز دعاءِ خیر کے اور کچھ نہ ہو۔

’’لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَّاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔‘‘ (التوبۃ:۹۱، ۹۲)

ترجمہ: ’’نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں ہے کچھ گناہ، جبکہ وہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کی، نہیں ہے (ایسے) نیکوکاروں پر کوئی (الزام کی) راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان لوگوں پر (کچھ گناہ) ہے جو تمہارے پاس جب آئے، تاکہ تم ان کو (جہاد کے لیے) سواری دو تو تم نے کہا: میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کوئی سواری نہیں تو وہ آنکھوں سے آنسو بہاتے

(اور اپنی محرومی پر روتے) ہوئے واپس چلے گئے اس غم میں کہ ان کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کو کچھ نہ تھا۔‘‘

واضح ہو کہ مذکورہ بالا ہر دو آیتیں غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، لہٰذا انفاق حرب ودفاع کی مد سے متعلق ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کو اکتنازِ دولت سے محفوظ رکھنے کی اہم ترین انفاق سے متعلق ان چند آیات پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں اس انفاق کے مصارف ومدات کی تشخیص وتحدید حسب ذیل ہے:

مستقل انفاقات

اہل خانہ: خود، بیوی، نابالغ یا ضرورت مند اولاد، ضرورت مند ماں باپ، عبید واماء، موجودہ زمانے میں ان کی جگہ نوکر وخادم۔

اہل کنبہ: ضرورت مند قرابت دار الأقرب فالأقرب کی ترتیب سے، مجبور ومعذور قرابت دار۔

اہل محلہ: ضرورت مند ہمسایۂ قریب، ہمسایۂ بعید، شریک حرفہ وکسب معاش۔

اہل ملک: یتیم قرابت دار وغیر قرابت دار، مساکین ومحتاجین خواہ سائل ہوں خواہ غیر سائل، ضرورت منداہلِ حرفہ وشرکاءِ کار۔

قومی وملکی: مصارفِ حرب ودفاع ورفاہِ عام۔

عارضی انفاقات

غیر مستطیع مسافر، غیر مستطیع مدیون، خسارہ زدہ (دیوالیہ) تاجر وکاروباری۔

نتیجۂ بحث

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا دائرہ پوری قومی زندگی کے -شخصی، عائلی، انفرادی، اجتماعی، قومی وملکی- مصارف ومدات پر محیط ہے۔ اگر ملک کے اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ طبقات خصوصاً دولت مندوں کا فاضل سرمایہ (جو عفو کا مصداق ہے) اللہ کے حکم کے مطابق مذکورہ بالا مدات میں برابر خرچ ہوتا ہے تو ملک میں سرمایہ کبھی منجمد ہو ہی نہیں سکتا، خواہ ان دولت مندوں کے پاس سرمایہ کتنی ہی فراوانی کے ساتھ کیوں نہ آتا رہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے قرآن حکیم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کو اس انفاق پر مجبور کرنے یعنی سرمایہ کو متحرک اور دولت کو دائر وسائر رکھنے میں جبر سے کام لینے کے بجائے اخلاقی قوت سے کام لیتا ہے، یعنی حبِ مال اور ہوسِ زر اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بخل وامساک (کنجوسی) کو کافرانہ خصلت اور بدترین رذالت قرار دیتا ہے، ارشاد ہے:

۱-''کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ وَتَأْکُلُوْنَ التُّرَاثَ أَکْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۔'' (الفجر: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰)

ترجمہ: ''کوئی نہیں، بلکہ تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور (ایک دوسرے کو) محتاج کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتے اور کھا جاتے ہو میت کا مال سمیٹ سمیٹ کر اور محبت کرتے ہو مال سے جی بھر کر۔''

۲-''وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ أَنَّ مَالَهٗ أَخْلَدَهٗ کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ'' (الھمزۃ: ۱، ۲، ۳، ۴)

ترجمہ: ''ہلاکت ہے ہر طعنے دینے والے عیب چینی کرنے والے کے لیے، جس نے مال خوب سمیٹا اور گن گن کر رکھا، وہ سمجھتا ہوگا اس کا مال سدا اس کے ساتھ رہے گا، ہرگز نہیں! وہ ضرور جھونکا جائے گا روندڈالنے والی آگ میں۔''

۳-''إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَکَنُوْدٌ وَّإِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَهِیْدٌ وَّإِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۔''

(العادیات: ۶، ۷، ۸)

ترجمہ: ''بیشک انسان اپنے پروردگار کے بارے میں بڑا ہی بخیل ہے اور وہ خود ہی اپنے اس فعل پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بہت ہی سخت ہے۔''

۴-''وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۔'' (آلِ عمران: ۱۸۰)

ترجمہ: ''نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز (کے خرچ کرنے) میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے کہ یہ بخل ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ یہ بخل تو ان کے حق میں بہت ہی برا ہے، طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا وہ مال جس (کے خرچ کرنے) میں انہوں نے بخل کیا ہے۔''

بلکہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے عقیدہ کے تحت دنیوی واُخروی ترغیبات وترہیبات اور وعدووعید کے ذریعہ اس انفاق پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ آیاتِ انفاق اور دنیا وآخرت میں اس انفاق کے فوائد ومنافع اور بخل وامساک کے دنیوی واخروی نقصان اور مضرتوں کے ذکر سے خالی ہوگا، اس لیے قرآن حکیم زراندوز سرمایہ داروں اور مالداروں سے عام حالات میں زبردستی ان کے اموال چھین لینے اور ملکیت سے محروم کردینے کا حکم نہیں دیتا کہ یہ استحصال بالجبر اور ظلم صریح ہونے کے علاوہ معاشی حیثیت سے ملکی پیداوار میں ترقی کو مسدود کردینے اور قوم کے حوصلے اور نشاط کار کو تباہ کردینے کے مرادف ہے اور یہ سب سے بڑا معاشی نقصان اور قومی جرم ہے۔ اسلام کے زریں عہد یعنی قرونِ اولیٰ -عہدِ صحابہؓ وتابعینؒ- کی تاریخ

شاہد ہے کہ اغنیاء صحابہؓ وتابعینؒ نے اسی قرآنی حکمت عملی کے تحت برضا ورغبت اور بطیبِ خاطر مذکورہ بالا تمام انفرادی واجتماعی، عارضی ودائمی، قومی مدات ومصارف میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بے حساب اموال خرچ کیے ہیں اور وَاللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کے تحت جیسے بے حساب اللہ نے ان کو دیا ہے، ویسے ہی بے حساب انہوں نے خرچ کیا ہے، اپنے اوپر بھی اور قوم کے اوپر بھی، تاہم چونکہ شُحّ (مال کے خرچ کرنے میں بخل) انسانی فطرت کی ایک ناگزیر کمزوری ہے، ارشاد ہے:

''وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ۔'' (النساء:۱۲۸)

ترجمہ: ''اور نفوسِ انسانی میں بخل اور حرص پیوست ہے۔''

بجز ان خدا سے ڈرنے والے لوگوں کے جن کو رب العالمین اپنے فضل سے اس کمزوری سے بچالے، ارشاد ہے:

''وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔'' (التغابن:۱۶)

ترجمہ: ''اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل وحرص سے بچادیئے گئے، وہی ہیں فلاح پانے والے۔''

وہ اغنیاء آج بھی اپنے اسلاف کی طرح کشادہ دل اور کشادہ دست موجود ہیں اور اُنہی کی فراخ دستی کے نتیجہ میں پاکستان واحد ملک ہے، جس میں حکومت کے اثر سے آزاد بے شمار تعلیمی اور رفاہی ادارے چل رہے ہیں، مگر عام طور پر ملک کا سرمایہ دار اور مالدار طبقہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اور ناواقف ہونے کی وجہ سے رب العالمین کے اس فضل سے محروم ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ بہرحال شُحّ انسان کی ایک فطری کمزوری ہے، جو انفاق فی سبیل اللہ کی راہ میں حائل ہوکر سدراہ بن جاتی ہے، اس لیے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے انفاق کی حسب ذیل مدات میں اسلامی حکومت کو اختیار دیا ہے کہ وہ اغنیاء اور مالی استطاعت رکھنے والے لوگوں کو خرچ پر مجبور کرسکتی ہے:

۱-بیوی کا نفقہ شوہر کی مالی استطاعت کے معیار پر۔ ۲-نابالغ اولاد کا نفقہ۔

۳-ضرورت مند والدین کا نفقہ۔ ۴-معذور قرابت داروں کا نفقہ۔

۵-مصارفِ حرب ودفاع وامورِ رفاہِ عام، اگر حکومت کے خزانے (بیت المال) میں ان اخراجات کے لیے بقدرِ ضرورت مال نہ ہو۔

۶-وہ ہنگامی حالات جن میں اسبابِ سماوی کی وجہ سے یا سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ملک معاشی بحران میں گرفتار ہوگیا ہو، یعنی ملک کا تمام تر سرمایہ اور وسائلِ دولت چند افراد یا خاندانوں کے ہاتھوں میں سمٹ آئے ہوں اور اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کی صورت پیدا ہوگئی ہو۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

آثار السنن پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے گراں قدر حواشی وتعلیقات

’’الإتحاف لمذہب الأحناف‘‘

ایک بیش بہا علمی تحفہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
لکھنو

’’فقہائے احناف کے فقہی متدلات کے متعلق علامہ ظہیر احسن نیمویؒ کی مفید تر کتاب ’’آثار السنن‘‘ ہمارے دینی مدارس کے درسی نصاب کا حصہ ہے، کتاب کی تالیف کے دوران مصنف کا علامہ کشمیریؒ سے رابطہ واستفادہ بھی اہلِ علم کے درمیان معروف ہے۔ کتاب کی پہلی طباعت کے بعد علامہ کشمیریؒ نے اپنے ذاتی نسخے میں حواشی لکھنا شروع فرمائے تھے، جو بعد ازاں پھیلتے پھیلتے مستقل حیثیت اختیار کر گئے۔ اس قیمتی ذخیرہ کی حفاظت کی غرض سے علامہ موصوف کے شاگرد مولانا محمد بن موسیٰ میاں افریقیؒ نے لندن سے اس کے اعلیٰ معیار کے عکس تیار کروا کر اہم اداروں اور علمی شخصیات کے کتب خانوں میں رکھوا دیئے تھے، لیکن ان حواشی کی حیثیت ذاتی یادداشت کے لیے قلم بند کیے گئے اشارات کی تھی، جن کی تحقیق وتخریج کی بجا طور پر ضرورت تھی۔ مختلف ادوار میں متعدد اہلِ علم نے اس سلسلے میں خامہ فرسائی کی، اور خود بانیِ جامعہ محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے بھی اس مسودہ کی تبییض فرما کر اس کی تحقیق وتخریج کا ارادہ فرمالیا تھا، لیکن گوناگوں علمی ودینی اور ادارتی مشاغل کی بنا پر یہ کام پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ اب الحمدللہ جامعہ کے شعبہ مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی میں ان حواشی کی تحقیق وتخریج مکمل ہوچکی ہے، جس میں حضرت بنوریؒ کے کام سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ! جلد ہی دو جلدوں میں اس کی طباعت منظرِ عام پر آئے گی۔ پیشِ نظر مضمون میں اس قیمتی ذخیرے کے تعلق سے علامہ کشمیریؒ کے نامور شاگرد مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ افادۂ عام کے لیے اسے نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔‘‘ (ادارہ)

حضرت استاذ مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہٗ جن کے وصال پر ابھی پورے تیس سال بھی نہیں گزرے ہیں، ان کے علمی مقام سے صرف وہی اہلِ علم کچھ واقف ہیں جنہیں ان کے قریب رہنے یا ان سے استفادہ کرنے

کا کافی موقع ملا، ان کے خاص معاصر اور ان کے استاذ شریک حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے اپنی کتاب ''فتح الملهم شرح صحيح مسلم'' میں ان کے بارہ میں جو یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ''لم تر العيون ولم ير هو نفسهٗ مثله'' (کہ نہ اس زمانے کے دوسرے لوگوں نے ان جیسا کوئی دیکھا اور نہ خود انہوں نے اپنے مثل کسی کو دیکھا) اس عاجز کے نزدیک یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے، حق یہ ہے کہ جنہوں نے نہیں دیکھا وہ آسانی سے یقین بھی نہیں کر سکتے کہ اس دور میں بھی کوئی ایسا متبحر عالم ہوسکتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اصل علمی خصوصیت تو اُن کی جامعیت تھی، جس موضوع اور جس مسئلہ کے متعلق سوال کیا جاتا، ایسا معلوم ہوتا کہ شاید یہی ان کی تحقیق و مطالعہ کا خاص موضوع ہے اور گویا ابھی اس کے مالہ وماعلیہ کا مطالعہ فرما کر اور پوری تیاری فرما کر تشریف لائے ہیں، لیکن اس جامعیت کے باوجود فنِ حدیث میں ان کا اشتغال نسبتاً سب سے زیادہ تھا اور حدیث کے مطالعہ میں تقریباً تیس سال تک حدیث کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق ان کی توجہ کا خاص مرکز رہا، اس لیے اس خاص پہلو سے ان کا مطالعہ بہت وسیع اور اس دائرہ میں ان کا مقام بہت ہی بلند تھا۔ ان کے اوقات کا بڑا حصہ کتابوں کے مطالعہ ہی میں صرف ہوتا تھا اور دستور یہ تھا کہ جہاں کوئی ایسی بات نظر پڑتی جس کے متعلق خیال ہوتا کہ فلاں اہم مسئلہ پر اس سے روشنی پڑتی ہے یا فلاں اشکال کے حل میں اس سے مدد مل سکتی ہے یا فلاں بات کی تردید یا تائید ہوتی ہے تو اس کو نوٹ فرماتے جاتے، لیکن چونکہ یہ نوٹ اپنے ہی واسطے لیے جاتے تھے، اس لیے عموماً بس اشاروں ہی پر اکتفا فرماتے تھے، ایسے نوٹوں کے کاغذات کی گڈیاں کی گڈیاں تھیں جو حضرت کے کمرے کے اوپر کے تختوں پر رکھی رہتی تھیں، ایک دن اس عاجز کے سامنے ہی ان گڈیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہماری ساری عمر کی محنت ہے، لیکن ایسے حال میں ہے کہ دوسرے اس سے نفع نہیں اُٹھا سکیں گے۔

مولانا ظہیر احسن شوق نیموی مرحوم کی معرکۃ الآراء کتاب ''آثار السنن''(۱) (جس کی تالیف میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ بھی شریک رہا تھا) اس میں جو مباحث اور مسائل آئے ہیں، ان سے متعلق اپنے مطالعہ اور غور وفکر کے خاص نتائج نوٹ کرنے کے لیے حضرت نے اسی کا اپنا مملوکہ نسخہ غالباً مخصوص فرمالیا تھا۔ ان مباحث کے متعلق جو چیز کہیں نظر سے گزرتی یا ذہن میں آتی آپ اس کو ''آثار السنن'' کی اسی بحث میں حاشیہ پر یا بین السطور میں بس اشارے کے طور پر نوٹ فرمادیتے۔ بعضے ایک ایک صفحے میں پچاسوں نوٹ اور پچاسوں حوالے ہیں، جو حوالے نادر اور قلمی کتابوں کے ہیں، ان میں تو بقدرِ ضرورت کتاب کی اصل عبارت حضرت نے لکھ دی ہے اور جو ایسی کتابوں کے ہیں جن کا ملنا زیادہ مشکل نہیں ہے، ان کے بس صفحے کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

''آثار السنن'' کا یہ نسخہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبرکات میں محفوظ رہا، لیکن اگر یہ صرف حضرت کے وارثوں کے پاس محفوظ رہتا تو نہ عام اہلِ علم کو اس کی اطلاع ہوتی نہ ہر ایک اس سے استفادہ کرسکتا، اللہ تعالیٰ

نے حضرت ہی کے تلامذہ میں سے اپنے ایک خوش نصیب بندے مولانا الحاج محمد ابن موسیٰ میاں (جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ) کو توفیق بخشی، انہوں نے یہ نسخہ حاصل کر کے مجلسِ علمی کی طرف سے اس کے چند عکسی نسخے لندن میں ایک جدید طریقہ سے تیار کرائے اور ہندوستان کے چند مرکزی دینی اداروں اور حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق رکھنے والے چند اشخاص تک پہنچا دیے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمتِ جلیلہ کو قبول فرمائے اور اپنے خزانۂ رحمت سے پوری پوری جزا اُن کو عطا فرمائے۔

اسی عکسی نسخہ کا نام ’’الإتحاف لمذهب الأحناف‘‘ ہے، ’’آثار السنن‘‘ کے دونوں حصے ایک ہی جلد میں جمع کر دیئے گئے ہیں، شروع میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (دامت فیوضہم) کے قلم سے اس عکسی کتاب ’’الإتحاف‘‘ کا تعارف ہے، ’’آثار السنن‘‘ کے حاشیہ پر اور بین السطور میں جو نوٹس ہیں وہ تو عموماً ’’آثار السنن‘‘ کے مباحث ہی سے متعلق ہیں، لیکن شروع کے اور آخر کے سادہ اوراق کے سیکڑوں نوٹ دوسرے مختلف موضوعات و مسائل سے متعلق ہیں۔ اس ناچیز کا اندازہ ہے کہ شروع اور آخر کے چار پانچ ورقوں میں جو نوٹ اور حوالے ہیں، اگر ان کو افادۂ عام کے لیے کوئی قاعدہ سے ایڈٹ کرے تو متوسط ضخامت کی ایک پوری کتاب صرف ان متفرق نوٹوں سے تیار ہو جائے گی، پھر ’’آثار السنن‘‘ کے بعضے ایک ایک صفحہ پر جو نوٹ اور حوالے ہیں اگر تصنیفی زبان میں ان کو مرتب کیا جائے تو ایک ایک صفحہ کے نوٹوں اور حوالوں سے ایک ایک ضخیم رسالہ تیار ہوگا۔

یہاں اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان نوٹوں کی حیثیت حواشی کی نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر بس اشارے ہیں، جو غالباً اپنے ہی لیے نوٹ کیے گئے تھے، اس لیے ان سے استفادہ جتنا کچھ بھی کر سکتے ہیں صرف خواص اور وہ بھی بڑی محنت کے بعد ہی کر سکتے ہیں۔ ان چند عکسی نسخوں کے تیار ہو جانے کا بڑا فائدہ یہی ہے کہ یہ دولت ضیاع کے خطرہ سے ان شاء اللہ محفوظ ہوگئی۔ اب ضرورت ہے کہ اس خزانہ کو عام استفادہ کے لائق بنانے کی بھی کوشش کی جائے، اس کارِ عظیم کی توقع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے صرف حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ہی سے کی جاسکتی ہے، انہوں نے جیسا کہ اپنے تعارف میں تحریر فرمایا ہے، حضرت استاذ قدس سرہٗ کی حیات میں اس سلسلہ میں کچھ کام کیا بھی تھا۔ مجلس علمی جوہانسبرگ جنوبی افریقہ کی طرف سے ’’الإتحاف‘‘ کے عکسی نسخے ہندوستان و پاکستان کے جن دینی اداروں اور جن حضرات اہلِ علم کو دیئے گئے ہیں اُن کی تفصیل جو ناچیز کو مجلس علمی کی طرف سے معلوم ہوئی ہے، وہ یہ ہے: کتب خانہ دار العلوم دیوبند، کتب خانہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دار العلوم دیوبند، مولانا سید انظر شاہ صاحب مدرس دار العلوم دیوبند، مجلس علمی سملک (ضلع سورت)، مجلس علمی کراچی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

(کراچی)، حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب (مدینہ طیبہ)، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (مئو، ضلع اعظم گڑھ)۔ راقم سطور ناچیز محمد منظور نعمانی کو بھی ایک نسخہ مرحمت فرمایا گیا ہے۔

یہ تفصیل یہاں اس لیے لکھ دی گئی ہے کہ جو صاحبِ علم کسی وقت ''الإتحاف'' سے استفادہ کرنا چاہیں ان کے علم میں یہ رہے کہ اس کے نسخے کہاں کہاں موجود ہیں۔

حواشی

۱- اس صدی ہجری کی لکھی ہوئی اس معرکۃ الآراء کتاب اور اس کے مصنف مولانا ظہیر احسن شوق نیموی مرحوم سے ہندو پاک کے علمی حلقے خوب واقف ہیں، مولانا مرحوم نے یہ کتاب اب سے قریباً ساٹھ ستر سال پہلے اس دور میں لکھنی شروع کی تھی، جب ہندوستان میں جماعت اہلِ حدیث اور علماء احناف کے معرکے شباب پر تھے۔ علامہ مرحوم فنِ حدیث میں بڑی ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے اور حدیث کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ان کا بھی خاص موضوع تھا، وہ خالص محدثانہ انداز میں آثار السنن کے نام سے حدیث کی ایک ایسی جامع کتاب مرتب کرنا چاہتے تھے جس کے مطالعہ سے فقہ حنفی کے بارے میں اطمینان ہوجائے کہ وہ حدیث نبوی کے خلاف نہیں ہے۔ اس کتاب کے ابھی صرف دو ہی حصے مرتب ہوکر شائع ہونے پائے تھے کہ مولانا مرحوم کی زندگی کا آفتاب غروب ہوگیا، رحمه الله تعالیٰ رحمة الأبرار الصالحین ۔ (ان دوحصوں میں صرف کتاب الطهارة اور کتاب الصلاة ہے۔)

فنِ حدیث میں بصیرت رکھنے والے علماء احناف کا تو گویا اس پر اتفاق ہے کہ یہ کتاب تحقیق کا شاہکار اور اپنے موضوع ومقصد میں غیر معمولی درجہ میں کامیاب ہے۔ ہمارے استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ اس کتاب کے بڑے مداح اور اس کے مؤلف علامہ نیموی مرحوم کی مہارتِ فن اور وسعتِ نظر کے بہت معترف تھے۔ کتاب کے آخر میں ان کے دو مدحیہ عربی قصیدے بھی چھپے ہوئے ہیں، جن سے کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں ان کے احساسات وجذبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ راقم نے جیسا کہ اوپر لکھا ہے اس کتاب کی تالیف میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ بھی شریک رہا تھا، اس عاجز نے اب سے ۳۵ سال پہلے درس ہی میں خود حضرت کی زبان سے اس کی پوری تفصیل سنی تھی اور افسوس ہے کہ اس کو نوٹ نہیں کیا تھا، اس لیے صرف حافظہ ہی کی مدد سے اس کو ناظرین کے لیے حوالۂ قلم کرتا ہوں۔ اگر کوئی غلطی ہو تو اس کی ذمہ داری میرے حافظہ پر ہے۔ بہرحال مجھے حضرت کے بیان کا جو خلاصہ اس سلسلہ میں یاد رہ گیا ہے، وہ یہ ہے کہ:

''مولانا نیموی مرحوم نے جب یہ کتاب لکھنی شروع کی تو اس کا پہلا جز، حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ (یعنی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ) کی خدمت میں دیوبند بھیجا اور لکھا کہ میرا ارادہ ہے کہ جتنا جتنا میں لکھتا جاؤں آپ کی خدمت میں بھیجتا رہوں، آپ اس میں جو ترمیم واضافہ مناسب خیال فرمائیں وہ لکھ کر مجھے واپس کردیا کریں، اس طرح یہ کتاب زیادہ مکمل اور زیادہ مفید ہوجائے گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ملاحظہ فرما کر یوں ہی واپس فرمادیا اور لکھ دیا کہ جس طرز پر آپ یہ کتاب لکھ رہے ہیں (یعنی خالص محدثانہ طرز پر) میں اس میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتا، اپنے ایک عزیز دوست کا پتہ لکھتا ہوں، آپ ان سے مراسلت کریں، ان شاء اللہ وہ اس سلسلہ میں آپ کو مفید مشورے دے سکیں گے، اور حضرت نے میرا پتہ ان کو لکھ دیا۔ مولانا نیموی مرحوم نے اضافہ اور مشورہ کی فرمائش کے ساتھ کتاب کا وہی حصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گرامی نامہ کے ساتھ میرے پاس بھیج دیا، میں نے اس پر جو اضافے مناسب سمجھے کیے، جن کی مقدار اصل سے دوچند کے قریب تھی، لیکن میرے یہ اضافے زیادہ تر معنوی مباحث سے متعلق تھے، علل واسانید سے متعلق مباحث میں اضافہ کی گنجائش ہی بہت کم تھی۔ مولانا نیموی مرحوم نے میرے یہ اضافے ملاحظہ فرما کر مجھے لکھا کہ میں یہ کتاب محدثین کے طرز پر لکھنا چاہتا ہوں، اس لیے علل واسانید سے متعلق آپ کے اضافے تو میں کتاب میں شامل کرلوں گا، لیکن دوسری قسم کے اضافے میں نہ لے سکوں گا، اس کے بعد وہ اس کے اجزاء برابر بھیجتے رہے اور میں اپنے مشورے لکھتا رہا۔''

ارضِ مقدس پر یہود کے حقِ تملیک کے قرآنی استدلال کا جائزہ

مفتی سمیع الرحمٰن
استاذ جامعہ فاروقیہ، کراچی

یہود کا دعویٰ ہے کہ ارضِ مقدس ان کا قومی وطن ہے، وہ اپنے دعوی کی سچائی کے لیے تاریخی، سیاسی اور سفارتی حکمت عملی کے ساتھ نظریاتی دلائل بھی بروئے کار لاتے ہیں، چونکہ ان کے عزائم میں بڑی رکاوٹ اسلام ہے، اس لیے مسلمانوں کو زیر کرنے کی لیے مصادرِ شرعیہ میں سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، یہود کی یہ فکری خدمت مستشرقین نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ ہمارے برّصغیر میں جو حلقہ مستشرقین کے زیرِاثر رہ کر ان کے دعاوی کو مقبول بنانے کی سعی میں مصروف ہے، ان کی طرف سے اس دعوی کو تقویت پہنچانے کے لیے قرآن کریم کی دو آیتوں سے بھی استدلال پیش کیا جاتا ہے، ذیل کے مضمون میں انہی استدلالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت فرما کر فلسطین تشریف لائے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے، یہیں ان کے صاحب زادے حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پلے بڑھے، جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں منصبِ اقتدار پر پہنچے تو اپنے پورے خاندان کو جو ستّر افراد کے کنبے پر مشتمل تھا' مصر بلا لیا۔ ۴۳۰ سال تک یہ خاندان مصر میں پھیلتا پھولتا رہا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں پیدا ہوئے اور انہیں مصریوں کی غلامی سے نکال کر صحرائے سینا میں لے آئے، ان کے متروکہ شہر فلسطین پر کافر قوم آباد ہو چکی تھی، اسرائیلیوں کی تعداد تورات کی روایت کے مطابق لاکھوں میں تھی، مگر فلسطین میں بغیر مزاحمت کے نہیں بس سکتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فلسطین کی کافر قوم کے ساتھ قتال فی سبیل اللہ کا حکم فرمایا، لیکن اسرائیلیوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ سزا کے طور پر چالیس سال تک ان پر ارضِ مقدس حرام کر دی گئی، یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسی صحرائے سینا میں وصال ہو گیا۔ اس کے بعد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع علیہ السلام کی سرپرستی میں یہودیوں نے قتال فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دیا تو یہ شہران کے قبضے میں آ گیا۔ یہودیوں نے اسی بنیاد پر ہمیشہ یہ دعویٰ کیا کہ ارضِ مقدس ہماری آبائی سرزمین ہے، ہم اس میں سکونت اور قومی اقتدار کا استحقاق رکھتے ہیں۔ عالمی استعمار کے سہولت کار اور نمائندہ جماعت اقوامِ متحدہ نے اپنی سرپرستی میں ایک قرارداد پاس کی، جس کی روشنی میں ۱۹۴۸ء میں اعلان بالفور کے مطابق دو ریاستی فارمولے کے تحت اسرائیل نامی مملکت وجود میں آ گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں کا فلسطین پر اقتدار اور قبضہ کے دعوی کا استحقاق کس بنیاد پر ہے؟ تاریخی بنیاد پر یا مذہبی بنیاد پر؟ اگر تاریخی بنیاد پر ہے تو بھی درست نہیں ہے، تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس شہر کو کنعانیوں اور یبوسیوں نے آباد کیا تھا، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کے رکن عبداللہ بن صالح بن العبید لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ القدس ایک عبرانی شہر ہے، یہ دعویٰ ان تاریخی دستاویزات کو نظر انداز کرنے پر مبنی ہے جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ القدس شہر کے طور پر برونزی عہد کی ابتدا میں آباد ہونا شروع ہوا تھا اور اس کی تعمیر کنعانیوں نے کی تھی۔ آثارِ قدیمہ کے انکشافات اور تاریخی مآخذ کے مطابق فلسطین میں عربوں کی تاریخ ۶ ہزار سال پرانی ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے فلسطین میں عربوں کا وجود اسرائیلی حملے سے ۲۶۰۰ سال مقدم ہے۔ اس سے یہودیوں کی القدس پر ملکیت کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، حالانکہ قدیم تاریخ کے مطابق یہودیوں کی القدس پر حکومت مسلسل ۷۰ سال سے زیادہ نہیں رہی۔ (ہفت روزہ العالم الاسلامی، خلاصہ، ص: ۱۵ تا ۲۱۔ ۱۹۹۹ء)

اس سے زیادہ عرصہ تو مغل اور افغانستان کے مسلمانوں نے متحدہ ہندوستان پر اور عرب مسلمانوں نے ہسپانیہ پر حکومت کی ہے۔ اگر ستر سال کی مسلسل حکومت سے ملکیت ثابت ہوتی ہے تو مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ ہندوستان اور ہسپانیہ پر اپنا دعوائے استحقاق جتلائیں، اسے کیوں خاطر میں نہیں لایا جاتا؟ اس دوغلے رویہ پر احتجاج کرتے ہوئے اقبال نے کہا تھا:

ہے خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا؟

لیکن یہاں سرِ دست اس قرآنی استدلال کا جائزہ لینا ہے جو استشراقی فکر سے متاثرہ حلقے کی طرف سے یہود کے دعوائے استحقاق میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہود کے حقِ تملیک پر قرآنی استدلال کا جائزہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خطاب نقل فرمایا ہے، جس میں آپ نے اپنی قوم کو کہا ہے: ’’يٰقَوْمِ ادْخُلُوْا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ‘‘... ’’اے میری قوم! ارضِ مقدس میں داخل ہوجاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔‘‘ (اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ: ’’پس اللہ تعالیٰ نے ’’كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ‘‘ کے ذریعے یہ مقدس سرزمین یہود کے حق میں مقدّر فرمادی ہے، جس پر اقتدار وسکونت اور تملیک کا ابدی استحقاق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملا ہے، کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خدا کی عطا کردہ سرزمین سے ان کو بے دخل کرے۔‘‘

پہلا جواب

جب سے یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے، اس وقت سے آج تک کسی صحابیؓ، تابعی، مفسر، محدث، مجتہد نے ’’كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ‘‘ سے یہ مراد سمجھی ہے، نہ یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ اس سے یہود کی مقدس سرزمین پر ابدی حقِ تملیک ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ مراد اتنی واضح تھی تو سلفِ صالحین اس پر کلام فرماتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے جلاوطن کردہ یہودیوں کو ان کی آبائی استحقاقی سرزمین یاددلاتے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارضِ مقدس کو فتح کرنے کے بعد اس آیت پر عمل کرتے ہوئے دربدر بھٹکتے یہودیوں کو یہ سرزمین حوالہ کرکے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتے، لیکن اس آبائی حقِ تملیک پر نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا، نہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غلبہ پاکر یہ سرزمین یہودیوں کے حوالہ کی، نہ کسی صحابیؓ نے انہیں قرآنی آیت سناکر یہ حکمِ الٰہی یاددلایا۔ یہ نادر خیال اور استدلال آیا تو صرف اور صرف استشراقی فکر سے فیض یاب ہونے والے محققین کو آیا۔

دوسرا جواب

قرآن کریم میں ’’كَتَبَ‘‘ کا لفظ کئی معنی میں آیا ہے:

۱- ’’كَتَبَ‘‘ بمعنی ’’قَضٰى‘‘ فیصلہ کرنا، (جیسے ’’كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ‘‘ (تفسیر طبری، المجادلۃ، ذیل آیت:۲۱)

۲- ’’كَتَبَ‘‘ بمعنی ’’أمر‘‘ (تفسیر طبری، المائدۃ، ذیل آیت:۲۱)

۳- ’’كَتَبَ‘‘ بمعنی ’’وعد‘‘ (تفسیر ابنِ کثیر، المائدۃ، ذیل آیت:۲۱)

۴- ’’كَتَبَ‘‘ بمعنی ’’وھب‘‘ (تفسیر طبری، المائدۃ، ذیل آیت:۲۱)

۵-''کَتَبَ''یعنی''كتب في اللوح المحفوظ''(تفسیر الآلوسی، ذیل آیت:۲۱)
۶-''کَتَبَ''یعنی''قدّرها وقسمها لكم''(تفسیر الآلوسی، ذیل آیت:۲۱)
ان معانی میں سے کوئی ایک معنی بھی ابدی حقِ تملیک اور دائمی حقِ استقرار پر دلالت نہیں کرتا، ''کَتَبَ اللہُ لَکُمۡ'' کے ذریعے جو وعدہ یہود سے کیا گیا تھا، اس وعدہ کی تکمیل ایک مرتبہ یہود کے ارضِ مقدس میں داخل ہونے سے پوری ہوجاتی ہے، چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ نکتۂ اعتراض اٹھایا کہ جب ''فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡ'' کے ذریعے ارضِ مقدس یہود پر حرام کردی گئی ہے تو پھر لوحِ محفوظ میں لکھا کیسے ثابت ہوگا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''اسرائیلیوں کے لیے جو مقامِ سکونت مقدر میں لکھا گیا تھا، وہ بعد میں ارضِ مقدس میں داخل ہونے اور اسے جائے سکونت بنانے سے پورا ہوگیا۔'' (اس میں تسلسل اور دوام کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہونا دلیلِ ابدیت نہیں ہے)۔
مزید برآں لوحِ محفوظ کے مندرجات میں تغیّر وتبدل جاری رہتا ہے، محض مقدّر اور لوحِ محفوظ میں درج ہونے سے کسی امر کو دوام وابدیت کی دلیل نہیں ٹھہرایا جاسکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمۡحُوا اللہُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ وَعِنۡدَهٗۤ أُمُّ الۡكِتٰبِ'' (الرعد:۳۸،۳۹) ''ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا، مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے، اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب۔''
چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے آپ دورانِ طواف روتے ہوئے دعا کرتے تھے:
''اللّٰهم إن كُنۡتَ كَتَبۡتَنِي في أهل السعادة فأثبتني فيها، وإن كنت كتبتني في أهل الشقاوة والذنب فامحُني وأثبتني في أهل السعادة والمغفرة، فإنّك تمحو ما تشاء وتثبت وعندك أمّ الكتاب.''
''اے اللہ! اگر آپ نے مجھے (لوحِ محفوظ میں) اہلِ سعادت میں لکھ رکھا ہے تو اسے ثابت رکھیے اور اگر آپ نے مجھے (لوحِ محفوظ میں) بدبخت اور گناہگاروں میں لکھا ہے تو یہ لکھا مٹا دیجئے اور اہلِ سعادت و مغفرت میں ٹھہرا دیجئے، بے شک آپ جو چاہتے ہیں مٹاتے ہیں اور جسے چاہے ثابت رکھتے ہیں اور آپ ہی کے پاس لوحِ محفوظ ہے۔'' (تفسیر القرطبی، الرعد، ذیل آیت:۳۹)
اسی طرح کی دعا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
حضرت مالک بن دینارؒ نے ایک خاتون کو دعا دیتے ہوئے فرمایا:
''اللّٰهم إن كان في بطنها جارية فأبدلها غلامًا، فإنّك تمحو ما تشاء و تثبت و عندك أم الكتاب .''
''اے اللہ! اگر اس کے پیٹ میں لڑکی ہے تو اسے لڑکے سے بدل دے، بے شک تو مٹاتا ہے اور

باقی رکھتا ہے اور آپ کے پاس ہی لوحِ محفوظ ہے۔'' (تفسیر القرطبی، الرعد، ذیل آیت:۳۹)

لہٰذا معلوم ہوا کہ محض لوحِ محفوظ میں لکھے جانے سے کسی چیز کا دوام ثابت نہیں ہوتا اور لوحِ محفوظ کے مندرجات میں تغیّر وتبدل بھی رہتا ہے، ہاں! علمِ الٰہی ازل سے اور ابد تک تغیّر وتبدل سے پاک اور محفوظ ہے۔

تیسرا جواب

اگر ''کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ '' کی بنا پر ارضِ مقدس یہود کے حق میں مقدّر ہو چکی تھی تو پھر ''فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ '' کے ذریعے چالیس سال تک یہود کو ان کے حق سے کیوں محروم کر دیا گیا؟ اس کے جواب میں استشر اقی حلقۂ فکر کے احباب کہتے ہیں: محرومیت کی یہ مدّت محدود تھی، حالانکہ سوال یہ نہیں کہ محرومیت کی مدّت محدود تھی یا غیر محدود؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ مقدّر میں لکھے حکم سے محروم کیا ہی کیوں کیا گیا؟

اس کا حقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں ارضِ مقدس سے محروم کر دیا گیا، کیونکہ جب انہوں نے قتال کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا: ''فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ '' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی کی بنا پر اطلاع فرمادی کہ چالیس سال کے بعد اسرائیلی قتال کا حکم بجالا کر ارضِ مقدس میں سکونت اختیار کریں گے، تب تک ارضِ مقدس سے محروم رہیں گے، چنانچہ چالیس سال کے بعد جب اسرائیلی حکمِ الٰہی بجالائے' تب ارضِ مقدس کے فاتح بنے۔ محض چالیس سال کی دربدری کی مدت مکمل کرنے سے ارضِ مقدس کے مالک نہیں بنے، گویا ارضِ مقدس کا انعام اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ مشروط تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زبور کا حوالہ دے کر فرمایا ہے کہ ارضِ مقدس کی وراثت کا استحقاق اپنے نیک بندوں کو بخشا ہے: ''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ ۢبَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ '' (الانبیاء:۱۰۵) ترجمہ: ''اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔''

یہود نے جس طرح قتال فی سبیل اللہ کا انکار کر کے اپنے استحقاق کو ختم کر دیا تھا اور چالیس سال کے بعد قتال کا حکم بجالا کر ارضِ مقدس کے مالک بنے تھے، اسی طرح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر کے ارضِ مقدس کے اعزازی استحقاق سے محروم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے یہ امت کافرہ بن چکی ہے اور ارضِ مقدس سے ان کی محرومی مندرجہ بالا نص سے ثابت ہے۔ اس استدلال کو قیاسی بتلانا صریح مغالطہ ہے۔ یہود کے ابدی استحقاق پر کوئی صریح نص نہیں ہے، مگر بالفرض اسے تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کے عزلِ استحقاق پر صریح نص موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو محض اس لیے اعزاز واکرام سے نوازے کہ وہ برگزیدہ لوگوں کی اولاد ہے۔ سنتِ الٰہیہ میں اعزاز واکرام کے وعدے ایمان کی بنیاد پر ہوتے ہیں، نیز ''کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ '' کے ذریعے امرِ تکوینی کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ یہود

کے لیے امرِ تشریعی نہیں ہے کہ وہ کفر کی حالت میں بھی اس سرزمین کو حاصل کرنے کے مکلف ہوں، کیونکہ ''کَتَبَ'' امرِ تشریعی کے لیے اس وقت ہوتا ہے جب اس کے صلہ میں ''عَلٰی'' ہو، جیسے ''کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ'' (فرض کیا گیا تم پر روزہ) (البقرۃ:۱۸۳) ''کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ'' (فرض ہوئی تم پر لڑائی) (البقرۃ:۲۱۶) بالفرض امرِ تشریعی مان لیا جائے، تب بھی یہ قابلِ استدلال نہیں، کیونکہ شریعتِ محمدیہ شریعتِ موسویہ کے لیے ناسخ کی حیثیت رکھتی ہے۔

چوتھا جواب

اللہ تعالیٰ نے حصولِ اولاد کے لیے فرمایا: ''وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ'' (اس اولاد کی کوشش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دی ہے، لیکن اس مقدر کے لکھے کو حاصل کرنے کے لیے تشریعی امور کا التزام ضروری ہے، وہ ہے شرعی نکاح کرنا جو دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص امرِ تکوینی سے استدلال کرتے ہوئے کسی اجنبیہ سے حصولِ اولاد کی کوشش کرے گا تو اس کی قسمت میں کوڑے اور سنگساری کی سزا ہے، اسی طرح یہود کے لیے ''کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ'' سے ارضِ مقدس کا حصول ایمان اور عملِ صالح کے تشریعی امور کے اہتمام پر موقوف ہے، اگر یہود محض امرِ تکوین سے استدلال کر کے ارضِ مقدس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کی قسمت میں ذلت ومسکنت کے عذاب کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دیتے ہوئے فرمایا: ''وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ''

یہود کی شامتِ اعمال سے جب رومی حملہ آور طیطوس (ٹائی ٹس) نے ارضِ مقدس پر حملہ کر کے یہود کو جلاوطن کر دیا، اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا'' (اگر تم پھر کفر وعصیان کی روش پر لوٹ آئے تو ہم تمہیں اسی طرح پھر عذاب میں دو چار کریں گے۔) یہود نے ان واقعات سے کوئی سبق نہیں سیکھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی بجائے تکذیب اور مخالفت پر اُتر آئے، اس لیے امّتِ محمدیہ ان کے لیے قہرِ الٰہی بن کر نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے ذریعے بھی کافروں کو عذاب دیتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ'' (التوبۃ:۱۴) ''لڑو ان سے، تاکہ عذاب دے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے۔'' پس یہود کا کفر وعصیان ارضِ مقدس سے محروم ہونے کی بنیاد ہے اور اس سے ان کو بے دخل کیا جانا وعدۂ الٰہی کا تقاضا ہے، جس کی تکمیل تشریعی طور پر اہلِ ایمان کے ذمہ ہے۔

پانچواں جواب

اگر ارضِ مقدس پر یہود کا ابدی استحقاق ہوتا تو پھر شام کی کنجیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دی جاتیں، اللہ تعالیٰ

نے وہ کنجیاں حضور ﷺ کو دے کر اس کا مالک امّتِ محمدیہ کو بنادیا، چنانچہ عہدِ فاروقی میں اس سرزمین نے مسلمانوں کے فاتحانہ قدموں کا استقبال کیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوہ خندق (کی کھدائی) کے موقع پر ایک سخت چٹان آڑے آ گئی، جس پر کدال اچٹ جاتی اور چٹان ٹوٹتی نہ تھی، ہم نے آپ سے شکوہ کیا، آپ ﷺ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی (تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ اکبر! مجھے ملکِ شام کی کنجیاں دی گئی ہیں، واللہ! میں اس وقت وہاں کے سنہرے محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔‘‘ یہ بشارت عہدِ فاروقی میں مکمل ہوئی، قرآن وسنت کی ان نصوص کو نظرانداز کر کے کتابِ مقدس کے محرفہ مندرجات کو سامنے رکھ کر یہود کے دعوائے استحقاق کی فکری عمارت کھڑی کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔

دوسرے استدلال پر ایک نظر

ارضِ مقدس پر قومِ یہود کے حقِ تملیک کے لیے دوسرا استدلال اس آیتِ کریمہ سے پیش کیا جاتا ہے:

’’وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا ط‘‘ (الاعراف:۷-۱۳۷)

’’اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اس زمین کے مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے۔‘‘

آیتِ کریمہ کے لفظِ وراثت سے یہود کے دعوائے حقِ تملیک کا استدلال کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ لفظ آیتِ کریمہ میں فقہی اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں ہوا، بلکہ یہ تعبیر محض عطاءِ الٰہی اور بلا مشقت نوازنے کے لیے استعمال ہوئی ہے، اس لفظ سے ابدی حقِ تملیک کی نکتہ آفرینی درست نہیں ہے، کیونکہ یہی لفظ فرعون کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جسے اللہ نے ارضِ مصر کی وراثت سے نوازا تھا، پھر اس سے چھین بھی لی تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرعون کے ظلم وستم پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ’’قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ‘‘ (الاعراف:۱۲۸)

’’موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، ساری زمین اللہ کی ملکیت میں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام ایمان والوں کا ہے۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے امرِ تکوینی سے دنیاوی جاہ ومنصب سے جسے چاہے نوازتا رہتا ہے، خواہ وہ کافر ہو یا مؤمن، ہاں حسنِ انجام صرف اہلِ ایمان کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طرف اقتدار کے تکوینی ہونے کی طرف اشارہ فرمایا اور دوسری طرف اسرائیلیوں کو اُمید دلائی کہ یہ تکوینی فیصلہ تمہارے حق میں بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہیں اس کا وارث بنا کر اس کا اقتدار تم میں بھی منتقل کرسکتا ہے۔

چنانچہ سورۂ اعراف کی آیتِ کریمہ ’’وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا ط‘‘ (الاعراف:۱۳۷) میں اور سورۂ دخان کی آیتِ کریمہ ’’وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ‘‘ (الدخان:۲۸) میں اسی انتقالِ وراثت کا اعلان ہے۔ وراثت کا لفظ تو تبدیلیِ ملک پر دلالت کرتا ہے، چہ جائیکہ اس سے کسی قوم کی ابدی ملکیت کا حق ثابت ہو۔

نیز اگر حقِ ملکیت فرض کر بھی لیا جائے تو یہود کے لیے ارضِ مقدس کا استحقاق ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ مشروط تھا۔ قرآنی بیان کے مطابق یہ شرط زبور میں بیان کی گئی تھی:

’’وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ ۢبَعْدِ الذِّکْرِ أَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ‘‘ (الانبیاء:۱۰۵)

’’اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔‘‘

یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جھٹلایا اور آپ کی جان کے درپے رہے، آپ سے دشمنی رکھی، یہود کے یہ سارے کفریہ اعمال ان کو ارضِ مقدس کے اعزازی استحقاق سے محروم کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ ان دو آیات میں کسی بھی طرح یہود کا حقِ تملیک ثابت نہیں ہوتا، ہاں! یہود کے لیے یہ مقامِ فرحت ضرور ہوگا ان کے من کی بات اُن سے بہتر طریقے سے کرنے والے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں، فَإِلَی اللہِ الْمُشْتَکٰی۔

غیروں پہ کرم اپنوں پہ ستم
اے جانِ وفا! یہ ظلم نہ کر

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عصرِ حاضر اور بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت

ڈاکٹر ساجد خاکوانی
اسلام آباد

ابتدائی تعلیم کا آغاز عہدِ الست کے ساتھ ہوگیا تھا، جب روحانی وجود ملتے ہی سب سے پہلے معرفتِ رب عطا کی گئی تھی اور ایک وعدہ لینے کے بعد اس دنیا میں بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ تاہم اگر کہا جائے کہ ابتدائی تعلیم کا آغاز ماں کے پیٹ میں ہی ہوجاتا ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے فطرت ہی تعلیم یا ابتدائی تعلیم کا آغاز کرتی ہے اور ہر ہر عضو کو اس کا فرضِ منصبی ازبر کراتی ہے۔ آنکھوں کو دیکھنا سکھایا جاتا ہے، کانوں کو سننا سکھایا جاتا ہے، دل کو دھڑکنا اور معدے کو جہاں ہاضمہ کی ذمہ داری سونپی جاتی، وہاں جگر کا کام خون کی فراہمی ہوتا ہے اور گردوں کو خون صاف کرنے کا فن اس ابتدائی تعلیم میں ودیعت کیا جاتا ہے، علیٰ ہٰذا القیاس۔ قدرت کے کام میں کوتاہی تلاش نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اللہ نے سورۂ ملک میں کہا:

''اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ'' (الملک)

ترجمہ: ''جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، تو رحمٰن کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا، تو پھر نگاہ دوڑا، کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر، تیری طرف نگاہ ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہوگی۔''

جس نے پوری کائنات بغیر کسی خامی کے بنائی ہے اور اسے بطورِ مثال انسان کے سامنے پیش کیا اس کا تخلیق کردہ اشرف المخلوقات تو بلاشبہ ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' (والتین: ۴) ''بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ اس فنِ تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی اولین وحی کے ساتھ تذکرہ کیا اور ماں کے پیٹ کے دورانیہ کا ہی تذکرہ کیا جہاں انسان فطرت کی طرف سے اپنی ابتدائی تعلیم کے مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ قدرت تو اپنے کارِ تخلیق

میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی، لیکن انسان اپنی بے اعتدالیوں اور حدود اللہ سے گزرجانے والے نافرمانی کے رویوں کے باعث خدائی تخلیق میں بگاڑ کے اثرات کا بری طرح سے سامنا کرتا ہے اور پریشانیوں کا شکار ہورہتا ہے۔

ماں کے پیٹ میں ابتدائی تعلیم پر ماں کے اثرات ماضی میں تو قصے کہانیاں ہی سمجھے جاتے تھے، لیکن اب عصری طبی ماہرین اور ماہرینِ نفسیات نے اس کی تصدیق بھی کردی ہے۔اس دوران اگر ماں خوش باش رہے گی، مطمئن رہے گی، کھاتی پیتی اور سیر وسیاحت بھی اس کے معمولات میں شامل رہیں گے اور آرام، چین وسکون کے ساتھ ساتھ اس کی جملہ ضروریات وخواہشات بھی پوری ہوتی رہیں گی تو نومولود بھی طبی وجذباتی و ذہنی ونفسیاتی طور پر صحت مند ہوگا، بصورتِ دیگر چڑچڑاپن، بیماریاں، کمزوریاں اور عدمِ برداشت کے مکروہ تحفے ماں کے پیٹ سے جنم لینے والا ساتھ لائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس طرح بنائی ہے کہ بہت کچھ انسان کے حواسِ خمسہ سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور اسے ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کی تلقین کی گئی ہے۔غیب کی ان اخبار میں جو حواسِ خمسہ کی دسترس سے باہر رکھے گئے ہیں ایک روحانی دنیا بھی ہے۔روحانیت بھی بتاتی ہے کہ باپ سے وابستہ رزقِ حلال اور ماں کے اثرات براہِ راست پیٹ میں ابتدائی تعلیم پر ثبت ہورہے ہوتے ہیں۔

اگر ماں ابتدائی تعلیم کے اس دورانیے میں پاک صاف رہے گی، عفت و پاکدامنی اس پر ختم ہوگی، صوم وصلوٰۃ کی پابند رہے گی، اذکار ودعوات وتسبیحات ووظائف اس کے معمولات کا حصہ ہوں گے، تلاوتِ قرآن مجید میں ناغہ نہیں کرے گی، اپنی خانگی ذمہ داریاں وخدمت گاریاں بھی مقدور بھر ادا کرتی رہے گی اور کسی تکلیف پیش آجانے کی صورت میں ہائے وائے اور چیخنے چلانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھے گی تو وہ نیک اولاد کو جنم دے گی اور اس کے رحم میں ابتدائی تعلیم کی خواندگی تقویٰ اور پاکبازی سے عبارت ہوگی اور بصورتِ دیگر یہ دنیا فساق وفجار اور رجل الدرہم والدینار اور پیٹ کی خواہش اور پیٹ سے نیچے کی خواہش کے پجاریوں سے بھری پڑی ہے جن کے لیے قرآن نے کہا ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ''

جنم لیتے ہی ابتدائی تعلیم کا اگلا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے۔یہ مرحلہ کم وبیش دس سالوں تک محیط ہوتا ہے، جس کے بعد پھر ثانوی تعلیم کے مراحل شروع ہوجاتے ہیں۔ابتدائی تعلیم کی چار بنیادیں: اوائلِ عمری، معصومیت، خالی الذہنی اور مشاہدہ ہیں اور ابتدائی تعلیم کے چھ عناصر: خودشناسی، خداشناسی، حفظ، بنیادی اخلاقیات اور مبادیاتِ لسان وحسابیات اور تقابلات ہیں۔ابتدائی تعلیم کی پہلی بنیاد اوائل عمری میں اولین جو کلام کانوں کے راستے دماغ کی گہرائیوں اور تاریکیوں تک پہنچتا ہے وہ پتھر پر لکیر کی طرح اَن مٹ اور عمر

بھر کے لیے امر ہوجاتا ہے، چنانچہ دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کے دائیں کان میں اذان دے کر اسے ابتدائی و اولین تعلیم میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور درسِ توحید سے آشنائی فراہم کردی جاتی ہے اور بائیں کان میں اقامت کہہ کر اسے نماز جیسی بزرگ عبادت کا تعارف کرادیا جاتا ہے، جو عمر بھر کا ایک وظیفہ ہے جو اسے تاحیات اور تادمِ مرگ جاری رکھنا ہے کہ روزِ محشر سب سے پہلے اسی کے بارے میں پرسش ہونی ہے۔

اذان اور اقامت کے ابتدائی اسباق اس کے تاریک دماغ میں روشنی کا باعث بنتے ہیں اور اس کا قلب ونظر و ذہن وفکر نور سے بھر جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا:

''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔''

(البقرۃ:۲۵۷)

ترجمہ: ''اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

لیکن ابتدائی تعلیم ابھی نامکمل ہے، کیونکہ معلم کی تعیناتی ابھی باقی ہے، چنانچہ خاندان کے کسی نیک ومتقی و دیندار بزرگ مرد یا خاتون کے ہاتھوں شہادت کی مقدس انگلی سے گھٹی دی جاتی ہے، تاکہ بزرگ کی نیک فطرت اس نومولود میں عود کر آئے۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران بچوں کو گھٹی کے لیے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا تھا اور روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشت مبارک سے بچے کے تالو پر شہد لگا دیتے تھے، جسے وہ چاٹتا رہتا تھا۔ یوں ابتدائی تعلیم کا قیمتی ترین مرحلہ ایک غیر رسمی تعلیمی ادارے میں شروع ہوجاتا ہے۔

اس عمر میں بچے کا ذہن بالکل اور کلیتاً خالی سلیٹ اور صاف تختی کی مانند ہوتا ہے، بظاہر بچہ سو رہا ہوتا ہے، یا خاموش ہوتا ہے یا صرف دائیں بائیں دیکھتے ہوئے نظر آتا ہے یا خود سے کھیل رہا ہوتا ہے اور مصروفِ محض ہوتا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ سارا ماحول، آوازیں، مناظر اور خورد ونوشت وغیرہ اس کے ذہن پر اپنے قوی نقوش چھوڑ رہے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ آنے والے دنوں میں اس کی شخصیت اور یقینی طور پر اس کے کردار کا حصہ بن جائے گا۔ بچہ اپنے ابتدائی دنوں میں گویا ابتدائی تعلیم کے ایام میں بہت سے ہاتھوں میں کھیل رہا ہوگا، ہر کوئی اسے گود لینے کے لیے بے تاب ہوگا، ہر کوئی اس کی خدمت داری میں سبقت لے جانا چاہے گا، وہ نیند میں ہوگا تو اس کے جاگنے کا بے تابی سے انتظار ہوگا، اسے کھلانے، پلانے، نہلانے، دھلانے، پہنانے، اوڑھانے، سلانے اور لاڈ پیار کے لیے بہت سے ہاتھ بڑھ بڑھ کر اسے تھامتے ہوں

گے تو وہ بہت شاندار نفسیات کا مالک، خوشگوار طبیعت کا خوگر، حسنِ خلق کا مرقع، مرجعِ خلائق اور معاشرے میں کامیاب اجتماعی کردار ادا کرنے کی سند امتیاز لے کر تعلیم کے اگلے مرحلوں میں قدم رکھے گا۔

اس کے برعکس اگر اس کی ابتدائی تعلیم صرف دو یا چار ہاتھوں میں ہوئی، اور اس کے والدین بھرا پورا گھر، خاندان، قبیلہ اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر اور اپنی اَنا کو پوجتے ہوئے اس کو اتنے بڑے فطری ابتدائی تعلیمی ادارے سے نکال کر اور ایک مختصر ترین عمارت میں سدھار لائے تو اس کی ابتدائی تعلیم میں جو کمی، کوتاہی، خامی اور خلا رہ جائیں گے وہ کبھی بھی پورے نہیں ہوں گے، بلکہ اس کی اگلی نسلوں تک میں بھی منتقل ہوتے رہیں گے اور وہ تنہائی پسند، کم ظرف، اپنی ذات میں گرفتار، آدم بیزار، نفسیاتی دباؤ کا شکار، اجتماعیت سے خوفزدہ، دوسروں سے بے نیاز اور کافی حد تک خودغرض واقع ہوگا، الا ماشاء اللہ۔

ابتدائی تعلیم کی دوسری بنیاد معصومیت کے ساتھ ایک خاص عمر میں بچے کو رسمی تعلیمی ادارے میں داخل کر دیا جاتا ہے، یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچہ اپنی حوائج فطریہ سے واقف اور کسی حد تک خودکفیل بھی ہو چکا ہوتا ہے، عمومی طور پر یہ ساڑھے تین سال کی عمر ہوتی ہے، لیکن اس میں کمی بیشی کی گنجائش ممکن ہے۔

ابتدائی تعلیم میں بچے کی تربیت میں یہ قربانی شامل ہے کہ وہ چند گھنٹے کے لیے ماں کی گود چھوڑ کر اپنے ابتدائی تعلیم کے ادارے میں آجاتا ہے۔ ابتدا میں معصوم بچے پر یہ تبدیلی بوجھل ہوتی ہے، کچھ بچے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے ادارے میں جاتے ہوئے روتے ہیں، ٹانگیں چلاتے ہیں، شور مچاتے ہیں اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی طرح گھر کو لوٹ جائیں، جو فرد انہیں چھوڑنے جاتا ہے اس سے چمٹے رہتے ہیں یا پھر تقاضا کرتے ہیں کہ یہ بھی ادارے میں رک جائے، لیکن کچھ بچے بظاہر اظہار نہیں کرتے، لیکن خاموش رہتے ہیں، سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے رہتے ہیں، اپنا بستہ اور کتابیں کا پیاں سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں، کیونکہ اس اجنبی ماحول میں یہی بستہ اس کا اپنا ہے اور باقی سب ناآشنا اور غیر ہیں اور اگر اسی ادارے میں ان کا کوئی بھائی، بہن، پڑوسی یا رشتہ دار پڑھتا ہو تو وہ چاہتے ہیں کہ اسی کے ساتھ جا کر بیٹھ جائیں۔ یہ بچے ادارے کے بند ہونے اور چھٹی کے وقت کا بہت بے تابی سے انتظار کرتے ہیں اور دوڑ لگا کر ایسے نکلتے ہیں جیسے انہیں باندھ کر رکھا گیا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی اپنے ہم جولیوں سے دوستیاں ہو جاتی ہیں اور معلم اور ماحول سے مانوس ہو جاتے ہیں اور پھر شوق سے بھاگتے ہوئے مدرسے جاتے ہیں اور وہاں بہت اچھا وقت گزارتے ہیں، یہ ان کی معصومیت کا ایک اور پرتو ہے۔

ابتدائی تعلیم کی تیسری بنیاد خالی الذہنی ہے، اس میں بچے کو سب سے پہلے عقیدہ یاد کرایا جاتا ہے، یہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ صرف مثبت پہلو یاد کرائے جائیں، کیونکہ منفی پہلوؤں کے باعث ابتدا

سے ہی اس کا خالی ذہن مشکل میں پڑسکتا ہے۔ عقیدہ کی تعلیم اسے سنائی جائے گی اور اسے دہراتا رہے گا اور اس طرح ذہن نشین ہوجائے گی۔ ابتدائی تعلیم میں اس حد تک تربیت بھی شامل ہے کہ اسے عقیدہ پر یقین کرنے کے لیے کسی دلیل کی طرف دھکیلنے سے احتراز کیا جائے، اسے صرف یہ معلوم ہو کہ معلم یا معلمہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اسے ازبر کرنے ہیں، کیونکہ یہ سو فیصد سچے ہیں۔ دلائل اول تو اس کی خالی ذہنی سطح سے بالاتر ہوں گے اور پھر اسے ہر بات دلائل کے ساتھ ہی ماننے کی عادت پڑجائے گی اور اساتذہ کے لیے ایسے بچے کو ترسیلِ تعلیم مشکل میں ڈالے رکھے گی، پس اسے ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' کا خوگر ہونا چاہیے، تاکہ فرمانبرداری اس کے خالی ذہن میں سرایت کرجائے۔

بنیادی تعلیم کی چوتھی بنیاد مشاہدہ کے مطابق عقیدہ کے ساتھ اچھے اخلاق اسے عملاً سکھائے جائیں گے، تاکہ پہلے وہ اچھی طرح دیکھ لے اور پھر اسے اپنی شخصیت میں جذب کرلے، یہ ایک طرح سے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہے، مثلاً صفائی کی تعلیم دی جائے گی کہ کوڑا کرکٹ ایک خاص جگہ پر پھینکا جائے، اپنے ہاتھ، منہ، دانت، کپڑے، جوتے، کتب، کھلونے اور اٹھنے بیٹھنے کے مقامات مٹی سے پاک ہوں۔ کھانے کے آداب سکھائے جائیں کہ سب مل جل کر ایک برتن میں کھاتے ہیں، پہلے دوسروں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں، دائیں ہاتھ سے لقمہ توڑتے ہیں، اپنے سامنے سے کھایا جاتا ہے، آخر میں برتن صاف کرتے ہیں، خواہ انگلی سے ہی کرنا پڑے، برتن واپس اپنی جگہ پر رکھتے ہیں، کھانے سے پہلے، درمیان اور آخر میں پڑھی جانے والی دعائیں اور اکل و شرب کے دیگر مسنون طریقے ان کی تربیت کا حصہ ہوں۔

ابتدائی تعلیم کے اگلے مرحلوں میں بچوں کو ادارے سے باہر لے جایا جائے گا اور انہیں سڑک پار کرنے کی، سڑک سے ہٹ کر طریق القدم پر چلنے کی، اپنے دائیں طرف اور دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے اور میانہ چال سے چلنے کی تربیت بھی دی جائے گی۔ مزید اگلے مراحل میں پرندوں، جانوروں اور باغیچے میں پودوں کی نگہداشت وغیرہ کے عملی اسباق ان کی تربیت کا حصہ بنیں گے۔

خودشناسی بنیادی تعلیم کا پہلا اہم عنصر ہے، یہاں اولاً تو بچے کا نام اسے یاد ہونا چاہیے جو اس کی اولین اور جداگانہ شناخت ہے، اس کے بعد اسے اس کا لڑکا یا لڑکی ہونے کا احساس ہونا چاہیے، چنانچہ انتظامیہ کچھ ایسے انتظامات ضرور بجالائے جن سے بچوں کے اپنے فطری امتیازات کا احساس بیدار ہو، جیسے بچوں اور بچیوں کی علیحدہ قطاریں، علیحدہ وردی، ان کے علیحدہ نشستی انتظامات یا مقابلوں کی صورت میں جداگانہ مقابلے وغیرہ۔

بنیادی تعلیم کے باقی عناصرِ خمسہ: خودشناسی، خداشناسی، حفظ، بنیادی اخلاقیات و مبادیاتِ لسان

وحسابیات اور تقابلات کو باہم جدانہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تعلیم ایک ہمہ گیرعمل ہے جس میں یہ کل عناصر مل کر ایک نظام کو متحرک رکھتے ہیں، چنانچہ صبوحی دعا میں انہیں ایک بچے کی پیروی میں اپنے روز کے اسباق دہرانے ہوتے ہیں، یہاں ان بچوں کو ادب واحترام اور اطاعت کیشی کا درس ملتا ہے، ایک بچہ تلاوت کرتا ہے باقی سب سر نیچے کیے، ہاتھ باندھے صرف سنتے ہیں۔ ایک بچہ نعت سناتا ہے باقی سب ہمہ تن گوش ہوکر خاموش رہتے ہیں اور صرف سماعت کرتے ہیں۔ پھر کلامِ اقبال سے ''لب پے آتی ہے دعا'' پڑھائی جاتی ہے، تین بچے پڑھتے ہیں اور ان کی متابعت میں سب بچے اسی مصرعے کو دہراتے ہیں، اس کے بعد جملہ صبوحی اسباق بھی اسی طرح اطاعت کیشی کے درس کے ساتھ یاد کرائے جاتے ہیں جن میں قومی ترانہ بھی شامل ہوتا ہے۔

سب بچوں کو باری باری آگے لاکر موقع فراہم کرنا چاہیے کہ وہ دوسرے بچوں کو یاد کرائیں، جن میں قائدانہ صلاحیتیں موجود ہوں گی وہ خود سے اور بصد شوق نکل آئیں گے۔ شرمیلے، خوفزدہ، پست ہمت، دبی ہوئی شخصیت کے مالک اور سہمے ہوئے بچے اول تو نکلیں گے نہیں اور اگر زبردستی انہیں لاکر سامنے کھڑا بھی کردیا گیا تو وہ خاموش رہیں گے یا رونے لگیں گے تو اب یہ معلمین ومعلمات کا امتحان ہے کہ ایسے بچوں کو کیسے دوسرے بچوں کے ساتھ چلانا ہے۔

اس چھوٹی سی عمر میں اور ابتدائی تعلیم میں زبانی یاد کرانا بہت آسان ہوتا ہے، کیونکہ کوئی بھی سبق متعدد بار دہرانے سے ابتدائی تعلیم کی اس عمر میں بچے کی خالی تختی پر نقش ہوجاتا ہے۔موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچے کو نماز یاد کرادینی چاہیے، اسی طرح قرآن مجید کی آخری سورتیں اور کچھ زیادہ فضیلت کی بڑی سورتیں بھی بچے آسانی سے یاد کرلیتے ہیں۔بعض ابتدائی تعلیم کے ادارے پورا قرآن مجید بھی حفظ کرادیتے ہیں۔قرآن مجید کے حفظ سے دماغ اپنی استعداد سے بڑھ کر کام کرنے لگتا ہے اور اگلے تعلیمی مرحلوں میں حفاظ بچے باقی بچوں کی نسبت زیادہ سرعت سے اسباق کو ہضم کرپاتے ہیں اور روحانی برکات اس کے سوا ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے ابتدائی مرحلے صرف زبانی یاد کی حدتک یا سمعی وبصری تعلیم کی حدتک ہی ہونے چاہئیں، بعد کے مراحل میں انہیں ابتدائی خواندگی کی طرف لے جایا جائے گا جس میں حروف کی پہچان، جوڑتوڑ اور معمولی حساب بھی شامل ہے۔

مقابلے کی فضا ابتدائی تعلیم میں بہت اچھے نتائج سامنے لاتی ہے۔نصابی وہم نصابی سرگرمیوں میں جب ہم جولیوں سے مقابلہ درپیش ہوتو جیتنے کا جذبہ بچے کو اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لانے میں مددگار ومہمیز ثابت ہوتا ہے۔ یہاں ایک امر قابلِ غور ہے کہ اس چھوٹی اور معصوم عمر میں شکست کے بھی بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو شخصیت میں منفی رجحانات پیدا کرنے میں دیر نہیں لگاتے، چنانچہ مدرسے کی

انتظامیہ کو بہت دقیق نظر سے دیکھنا ہوگا کہ سو فیصد بچے کامیابی کا تمغہ سینے پر سجائے گھروں کو سدھاریں۔

اس کا بہت آسان طریقہ ہے، پہلے نصابی سرگرمیوں میں کامیابیاں فراہم کی جائیں، پھر کوشش کی جائے کہ جو بچے تعلیم کے میدان میں کچھ پیچھے رہ گئے ہیں وہ کھیل کے میدان میں آگے بڑھ کر اعتمادِ نفسی حاصل کرلیں، کچھ پھر بھی ابھی آخری صفوں میں رکے ہوئے ہیں تو حمد ونعت خوانی یا تقریر یا نغمہ سرائی یا بیت بازی میں انہیں سب کے سامنے لاکر نمایاں قرار دے دیا جائے، پھر بھی اگر کچھ بچے باقی ہیں تو انہیں آرائش وزیبائش، پہیلیاں بوجھنے اور اس طرح کے دیگر شوقین قسم کے امور میں کسی نہ کسی طرح سب سے بہتر قرار دے کر انعام کا حق دار قرار دے دیا جائے۔ اُمید ہے اس کے بعد کوئی بچہ باقی نہیں بچے گا۔

بصورت دیگر انتظامیہ اپنی طرف سے اطاعت وفرمانبرداری، باقاعدگی، حسنِ لباس، ادب و احترام، پابندیِ وقت، صفائی یا کسی بھی اور اخلاق فضیلت کو معیار بنا کر اسے اعتماد فراہم کردے اور یوں سب نونہال مدرسہ سے نہال ہو کر گھروں کو لوٹیں اور اپنے والدین کو اپنی کامیابی کی داستانیں سناتے ہوئے اگلے دن ذوق وشوق سے بھاگتے ہوئے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرۂ جماعت میں داخل ہوں۔

بنیادی تعلیم کی کامیابی کا ایک ہی پیمانہ ہے کہ بچہ اگلے مرحلۂ تعلیم میں اپنے شوق سے داخل ہوا اور وہ اپنی نئی کتب کا منتظر ہو، اپنے نئے اساتذہ سے مسرتِ ملاقات اس کے رویے سے ہویدا ہو اور اس کے خواب نئی عمارت اور بڑے بڑے کھیل کے میدانوں کی تعبیر سے آراستہ ہوں، اس کے لیے کسی طرح کے تحریری، تقریری، زبانی یا نمائشی امتحانات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، بہت چھوٹی عمر میں اور خاص طور پر بنیادی تعلیم کے دورانیے میں امتحانات کا انعقاد بچوں میں تعلیم کے لیے نفرت، دوری، بے رغبتی اور عدمِ اشتیاق کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ بنیادی تعلیم کی یہ عمر ماحول سے حاصل کیے گئے اثرات کے سو فیصد انطباق کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

اگر کہیں مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کلی یا جزوی ناکامی مشاہدے میں آتی ہے تو انتظامیہ، اساتذہ، نصاب اور ماحول کو تبدیل کرنے یا ان میں بہتری لانے کی ضرورت ہے، بچے اس سے کلیتاً مبرا ہیں۔ سو فیصد بچوں کو جو دورانیۂ تعلیم مکمل کر چکے ہوں انہیں بلاتخصیص وتمیز اگلے مرحلوں میں بڑھا دینا ہی تعلیمی کارکردگی میں بہتری کی ضمانت ہوگی جو ان میں اعتماد اور شوق اور مزید آگے بڑھنے کا جذبہ بھی پیدا کرے گی۔ تاہم اگر کچھ بچے دورانیۂ تعلیم کے درمیان میں داخل ہوئے ہوں اور وہ باقی ہم جماعت ساتھیوں سے اپنے اسباق میں ابھی پیچھے ہوں تو اساتذہ کرام سے مشاورت کے نتیجے میں انہیں حالیہ درجے میں ہی روک لینا قرینِ قیاس ہوگا، تاکہ ان کی بنیاد میں پختگی لائی جاسکے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس ٹھہراؤ کو اپنی ناکامی

پر محمول نہ کریں اور بخوشی اس فیصلے کو قبول کرلیں۔

تعلیم پیشہ نہیں ہے، بلکہ شیوہ اور انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے جو اپنی قوموں سے کہا کرتے تھے کہ: ’’وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ‘‘ (الشعراء:۱۴۵) ’’اور میں تم سے اس پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔‘‘

لیکن دورِ غلامی سے سیکولرازم کے باعث نہ صرف یہ کہ ایک پیشہ بن گیا ہے، بلکہ بنیادی تعلیم کی حد تک یہ ایک مکروہ دھندا بن گیا ہے۔ سیکولرازم کی پروردہ کاروباری ذہنیت سرمایہ دارانہ رویوں نے بنیادی تعلیم کی اقدار کو بری طرح پامال کردیا ہے، یہاں تک کہ اب بچے بچے نہیں رہے، بلکہ گاہک بن گئے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے ادارے کاروباری مراکز اور دھن دولت جمع کرنے والے کارخانے بن گئے ہیں۔

صرف تعلیم ہی نہیں، بلکہ تفریح کے دوران کے کھانے، صاف پانی، کتب، تحریری مواد، ملبوس، ذرائع نقل وحمل اور یہاں تک کہ بال کاٹنے کا عمل بھی منافع بخش بنالیے گئے ہیں اور ان ذرائع سے پیداگیری کی جاتی ہے۔ مقابلے کے اس رجحان نے جہاں معیارِ تعلیم کا بیڑا غرق کردیا ہے، وہاں معیارِ اخلاق بھی گہنا گیا ہے اور مقامی معاشرتی روایات اور تہذیب وتمدن بھی دم توڑ رہے ہیں۔

ان سب پر مستزاد بدیسی ذریعۂ تعلیم ہے جس نے زوال کی رہی کسر بھی پوری کردی ہے اور پورا نظامِ تعلیم اس وقت صرف ایک ہلکے سے دھکے کا منتظر ہے جو اسے دھڑام سے گرادے۔ والدین کو خوش کرنے کے لیے نجی تعلیمی ادارے سب بچوں کو ۹۹٪ شرح کامیابی سے نواز دیتے ہیں اور رقم بٹورنے کے لیے سارا سال امتحانات پر امتحانات منعقد ہوتے ہیں اور نتائج کی تقریبات کے نام پر بے ہودگی اور بدتمیزی کی بڑھ چڑھ کر نمائش کی جاتی ہے اور یوں جھوٹ، دھوکے اور فریب کو دکھاوے اور نمائش کے ذریعے اپنی کامیابی بناکر پیش کیا جاتا ہے، تاکہ کاروبار کے حجم کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جاسکے۔

لیکن مایوسی اس لیے نہیں ہے کہ معاشرے کا صالح عنصر بھی بیدار مغز قیادت کے ساتھ میدان میں موجود ہے اور بہت کم سہی، لیکن سرعت سے ترقی پذیر مثالی تعلیمی ادارے بھی قائم ہوتے چلے جارہے ہیں اور بہت جلد سیکولرازم کا بوریا بستر گول ہونے والا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

اہلِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

(تیسری اور آخری قسط)

کوشش نمبر: ۸، فتویٰ کی بنیاد غیر معیاری و غیر مستند سائنسی مواد پر رکھنا

مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوشش میں ایک یہ بھی ہے کہ فتویٰ کی بنیاد غیر معیاری و غیر مستند سائنسی مواد پر رکھی جائے۔ اس عمل سے دنیا دار طبقہ میں مدارس سے متعلق نفرت جنم لے گی اور وہ یہ تأثر لیں گے کہ مفتیانِ کرام کسی مسئلہ کو بیان کرتے وقت مستند سائنسی معلومات پر انحصار نہیں کرتے۔ مدارس میں تحقیق کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی سائنسی موضوع پر بات کرنے کے لیے اس سائنسی موضوع کے ماہرین سے اس موضوع کو سمجھا جائے اور اس موضوع کی سائنسی و تکنیکی تفصیلات سمجھنے، پرکھنے اور جاننے کے بعد پھر کوئی اس مسئلہ سے متعلق شرعی تکییف کی جائے۔ ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ کچھ مدارس میں مسئلہ کی سائنسی تفصیلات جاننے کے لیے غیر معیاری اور غیر مستند سائنسی مواد پر بھروسہ کیا جا رہا ہے، نیز سائنس کے بنیادی اصولوں کو بھی ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جا رہا۔ کچھ مدارس میں نوجوان مفتیانِ کرام اپنے آپ کو ترقی پسند Progressive ظاہر کرنے کے لیے ہر نئے سائنسی مسئلہ پر فتویٰ جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ سے یعنی نوجوان مفتیانِ کرام سے کس نے کہا ہے کہ کسی بھی سائنسی موضوع کے خود ساختہ ماہر بن کر ہر نئے سائنسی مسئلہ پر فتویٰ جاری کریں؟ کس نے آپ سے کہا ہے کہ مسئلہ بتاتے ہوئے، فتویٰ کی تمہید باندھتے ہوئے نوجوان مفتیانِ کرام خود سائنسدان اور معاشی ماہر بن جائیں؟ اصولی طور پر ہونا تو یہ چاہیے کہ کوئی نیا سائنسی مسئلہ بتاتے وقت کئی عالمی سائنسی ماہرین سے رجوع کر لیا جائے اور بنیادی سائنسی مآخذ کی مراجعت کر لی جائے، تاکہ فتویٰ کی سائنسی بنیاد درست ہو۔ الحمد للہ ہمیں اطمینان ہے کہ مستند دینی مدارس اور دارالافتاء میں سائنسی ماہرین اور متعلقہ شعبے کے ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے، جس چیز سے متعلق مسئلہ بیان کرنا ہوتا ہے، اس کی اصل ماہیت کو سمجھا جاتا ہے اور پھر اس سے متعلق مسئلہ بتایا جاتا ہے، مگر کچھ مدارس

کا تخصص کے طلبائے کرام کو مُبیَّنہ طور پر اس منہج پر تربیت دینا کہ کسی بھی سائنسی مسئلہ پر سطحی معلومات، غیر معیاری، غیر سائنسی مواد اور سوشل میڈیا پر موجود مواد کو بنیاد بنا کر تحقیق کے عنوان سے مسئلہ بتا دینا اور پھر مصدقین دارالافتاء اور مصححین دارالافتاء کا فتویٰ لکھنے والے متخصص کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس فتویٰ کو جاری کردینا، یہ مزید تشویش کی بات ہے۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہہ رہے کہ ایسا دانستہ طور پر ہو رہا ہے۔ ہماری رائے میں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں ایک نئی سوچ پروان چڑھائی جارہی ہے جس کے اندر یہ کہا جارہا ہے کہ مدارس ہی کے طلباء سائنسی موضوعات کے بھی ماہر ہوں گے۔

این خیال است و محال است و جنوں

بس یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جہاں پر غلطی ہورہی ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نوجوان مفتیانِ کرام شریعت کے بھی ماہر ہوں اور دنیا کے چوٹی کے سائنسدان بھی ہوں اور اُن کو سائنسی مضامین پر بھی پورا عبور حاصل ہو، الا ماشاء اللہ!

کوشش نمبر: ۹، مستقبل کے خوف اور طعنوں سے ہر نئی ٹیکنالوجی کو جائز کہنا

مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوشش میں ایک یہ بھی ہے کہ نوجوان علمائے کرام کے ذہنوں میں یہ بات ذہن نشین کروائی جارہی ہے کہ ڈیجیٹل ورلڈ میں ہر نئی آنے والی چیز کو جائز سمجھو۔ اس تناظر میں خاص طور پر کمپیوٹر سے متعلقہ جتنی بھی نئی ڈیجیٹل بیسڈ ٹیکنالوجیز آرہی ہیں، یہ نوجوان علمائے کرام سب کے جواز کے قائل ہورہے ہیں۔ یہ کہاں کی منطق ہے کہ جب اُس ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے متعلق سائنسی شواہد اور دلائل سے پتہ بھی چل جائے کہ اس میں شرعی محظور ہیں، پھر بھی ضد پر اَڑے رہنا اور اس کے جواز کے ہی قائل رہنا؟ اور جب ایسے صاحبانِ علم سے مؤدبانہ طور پر اشکال کیا جائے تو وہ حضرات یہ دلیل دیں کہ اگر ہم ابھی اس کے عدمِ جواز کے قائل ہوگئے اور اس کو ناجائز قرار دے دیا تو مستقبل میں کیا ہوگا؟ ہمیں لوگوں کے طعنے ملیں گے کہ دیکھو اولاً یہ مفتیانِ کرام ہر نئی آنے والی چیز کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور پھر کچھ عرصے میں اس کے رائج ہوجانے کے بعد اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیتے ہیں اور پھر اُسی چیز کو جائز قرار دے دیتے ہیں اور اس کا استعمال بھی شروع کردیتے ہیں۔ پھر مزید یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر کسی نئی آنے والی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کو ہم نے ناجائز قرار دے دیا اور پھر اس کی ماہیت تبدیل ہوگئی اور لوگوں میں اس ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا اس حد تک رواج ہوگیا کہ اس سے بچنا ہی ناممکن ہوا تو پھر بھی تو ہمیں جواز کی طرف جانا ہوگا، لہٰذا ہم کسی بھی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے عدمِ جواز کی رائے نہیں دیں گے، چاہے ابھی اس میں کتنے ہی شرعی محظور کیوں نہ ہوں۔ حضرات مفتیانِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ سوچ ہی غلط ہے، کیونکہ جب کوئی مسئلہ بتایا جاتا ہے تو اس کی موجودہ صورت اور ماہیت کو سامنے رکھ کر بتایا جاتا ہے، نہ کہ مفروضات کی بنیاد پر کسی مسئلہ کا حکم بتاتے ہیں،

ہاں! جب کبھی مستقبل میں کوئی استثنائی صورت بعد میں پیدا ہوجائے یا چیز کی ماہیت ہی تبدیل ہوجائے تو اسی کے حساب سے حضرات مفتیانِ کرام اس مسئلہ کی مزید وضاحت وحکم ارشاد فرمادیں گے۔

لہٰذا مدارس کے منتظمین حضرات اور خاص طور پر دارالافتاء کے حضرات اس بات کا خیال رکھیں کہ جدید سائنسی مسائل پر ایسے نیوٹرل دنیا کے سائنسدانوں اور معاشی ماہرین کی تحقیقات سے استفادہ کیا جائے جو کہ پروپیگنڈہ کے زیرِ اثر نہ ہوں اور عالمی سطح پر سائنسدان اور معاشی ماہر تصور کیے جاتے ہوں۔ نیز مدارس کی سطح پر ایسے اصول وضوابط بنادیے جائیں کہ جدید سائنسی مسئلہ سے متعلق تکنیکی تفصیلات اُس شعبے کے عالمی سائنسی ماہر سائنسدانوں سے معلوم کی جائیں جن کو سائنسی دنیا تسلیم کرتی ہے اور ان کا حوالہ اور ان کے نام، مقام اور اہلیت بھی ذکر کی جائے، تاکہ سائنسی اعتبار سے کوئی بات ادھوری اور نامکمل سامنے نہ آئے اور پھر سائنسی تحقیق کو سامنے رکھ کر اُس سائنسی مسئلہ کا حکم بتایا جائے۔ ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بے تحاشا نوجوان مفتیانِ کرام اس ذہن سازی سے مرعوب ہوچکے ہیں اور وہ اَب یہ برملا کہتے ہیں کہ کسی بھی نئے معاملے کو ناجائز اور حرام قرار دے دینا بہت آسان ہے، بالمقابل اس پر غور وخوض کیا جائے اور مسلمانوں کے لیے اس کے جائز ہونے کی کوئی صورت اپنائی جائے۔ دیکھیے! یہ جو ذہن سازی کی بات ہم نے پہلے عرض کی، اس کی جڑیں بہت پرانی ہیں اور اس پر گزشتہ کئی دہائیوں سے کوششیں کی جارہی ہیں۔

کوشش نمبر: ۱۰، مشتبہ ٹیکنالوجی سے پیسہ کمانے کے طریقے علمائے کرام کو سکھانا

مشتبہ ذرائع سے پیسہ کمانے کے طریقے سکھانا بھی مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش ہے۔ راقم خود کئی مدارس کے مطبخ میں گیا ہے جہاں پر کھانا پکاتے وقت قرآن پاک کی تلاوت کا معمول دیکھا۔ اسی طریقے سے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سوانح حیات آپ بیتی میں مدارس کے تقویٰ کے کئی واقعات تحریر فرمائے ہیں کہ اکابر کا کتنا سخت اہتمام تھا کہ مدارس کی اصل روح یعنی تقویٰ، للّٰہیت اور اخلاص مدارس میں قائم رہے۔ یہ ہمارے آج کے مدارس کی تاریخ ہے، الحمدللہ۔ ہمارے اسلاف بھی بہت احتیاط فرماتے تھے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اور اولیاءِ کرام کے واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے اور مشکوک سے بھی بچتے تھے۔ اگر کسی چیز کے بارے میں جید اور جمہور مفتیانِ کرام کی رائے ہو کہ وہ ناجائز ہے اور جوا، سٹے بازی اور سودی کاروبار کی ایک شکل ہے تو اس سے کم ازکم مشکوک سمجھ کر بچنا تو چاہیے، چہ جائیکہ اس کی ترویج واشاعت کی جائے؟ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ جب کسی مدرسہ کے وسائل کو استعمال کیا گیا ہو، پھر وہاں جُوا اور سٹے بازی سے پیسہ کمانا سکھایا گیا ہو اور پھر وہ کورس کی فیس کی مد میں آنے والا مال مدرسہ میں لگا ہو؟ کیا یہ مال مشکوک نہیں؟ کیا ایسا مال مدرسہ میں لگنا چاہیے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ جی مدرسہ میں ایسے کسی کورس کی فیس

کا مال نہیں لگا، بلکہ جو مُدرس صاحب تھے انہوں نے ہی وہ فیس رکھ لی؟ تو کیا وہ مُدرس اور صاحبِ علم کا مدرسہ سے تعلق نہیں؟ کیا وہ مستقل فتویٰ نویسی کا کام نہیں کرتے؟ دیکھیے! اجتہادی مسائل میں رائے رکھنے کو کسی نے منع نہیں کیا، مگر رائے رکھنے کی آڑ میں باقاعدہ ایسے مشتبہ کاروبار کے ذریعے نوجوان علمائے کرام کو اور مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام کو پیسہ کمانا سکھانے کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے؟

ہماری مؤدبانہ گزارش اربابِ مدارس سے یہ ہوگی کہ وہ دینی تحقیق اور ہُنر کے عنوان سے مشتبہ ٹیکنالوجیز کو مدارس میں پروان چڑھنے سے روکیں اور پابندی لگائیں۔ جس طریقے سے موبائل فون سے متعلق کہا گیا، اسی طریقے سے مدارس کی حدود میں اس بات کی بھی قطعی اجازت نہ دی جائے کہ وہ مشتبہ ٹیکنالوجیز کی خرید و فروخت کے کورسز کروائیں یا اس میں سرمایہ کاری کے طریقہ کار علمائے کرام کو سکھائیں۔ اسی طرح سے مدارس اینڈومنٹ فنڈ Endowment Fund کے عنوان سے صدقات وخیرات کی سرمایہ کاری مشتبہ چیزوں میں ہرگز نہ کریں۔ گو کہ مدارس اس فتنے سے کوسوں دور ہیں، مگر اس فتنے کی سرکوبی کے لیے آگاہی بہت ضروری ہے اور اقدامی قدم اُٹھانا ناگزیر ہے، کیونکہ ہمارے مشاہدے کے مطابق اندر ہی اندر بہت سارے نوجوان مفتیانِ کرام کی ذہن سازی کی گئی ہے کہ وہ کاروبار، جُوا اور سٹے بازی میں فرق ہی نہیں کر پا رہے، الا ماشاء اللہ۔

ایک نئی ذہنیت جس کو پروان چڑھایا جارہا ہے، وہ یہ کہ مدارسِ دینیہ کے طلباء کو مختلف کمپیوٹر کورسز کروائے جائیں۔ اب ان میں کچھ ایسے کورسز بھی ہیں جن میں مشتبہ مال کمانے کا امکان ہے، لہٰذا ایک بنیادی نقطہ سمجھ لینا چاہیے کہ مدارس کے طلباء کا کام کمپیوٹر سیکھ کر پیسہ کمانا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ جو حضرات مدارس میں ان کمپیوٹر کورسز کی ترویج واشاعت کررہے ہیں، وہ یہ راگ اَلاپ رہے ہیں کہ ایسا کرنے سے پاکستان کے مدارس سائنسی دنیا اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اقوامِ عالم سے مقابلہ کرسکیں گے، ایسا قطعاً درست نہیں، بھلا کچھ کمپیوٹر کورسز کرواکر اقوامِ عالم سے سائنس وٹیکنالوجی میں مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟ اس کے لیے تو اُن عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کو اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیے جن کا یہ کام ہے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اقوامِ عالم کا مقابلہ کریں، چہ جائیکہ مدارس کے طلباء کو اُن کے اصل کام یعنی دینی تعلیم سے دور کردیا جائے۔

کوشش نمبر:۱۱، اختلافِ آراء کی آڑ میں مشتبہ ٹیکنالوجیز کی ترویج واشاعت

اسی طریقے سے اختلافِ آراء کی آڑ لے کر مشتبہ ٹیکنالوجیز کی خوب ترویج واشاعت کی جاتی رہی ہے اور ابھی بھی بعض لوگوں کی جانب سے کوششیں جاری ہیں، حالانکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فقہی ضابطہ لکھا ہے، وہ یہ کہ: ’’جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے، یعنی ایک کام

کے ذریعے سے کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور ساتھ ہی مضرت بھی پہنچتی ہے تو مضرت سے بچنے کے لیے اس منفعت کو چھوڑ دینا ہی ضروری ہوتا ہے، ایسی منفعت کو نظر انداز کردیا جاتا ہے جو مضرت کے ساتھ حاصل ہو۔'' (معارف القرآن جلد:۱، سورۃ بقرہ، صفحہ: ۵۳۷، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

لہٰذا مندرجہ بالا فقہی ضابطہ کے تحت مسلمانوں میں عموماً اور مدارس میں خصوصاً تقویٰ کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے بھی کسی مشتبہ ٹیکنالوجی کی ترویج و اشاعت سے اجتناب کا کہا جائے گا، کیونکہ دفعِ مضرت مقدم ہے، لہٰذا جو حضرات صاحبانِ علم مدارس میں اختلافِ آراء کی آڑ میں مشتبہ ٹیکنالوجیز کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کررہے ہیں، اُن کو اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیے۔

کوشش نمبر: ۱۲، مدارس کے اندر عصری تعلیمی اداروں کے نظام کو اپنانا

کچھ مدارس میں مناقشات (تھیسس ڈیفنس) کے حوالے سے جو نئی ترتیب شروع ہوئی ہے، اس میں محتاط رویہ اپنانے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ اگر مکمل طور پر عصری تعلیمی اداروں کی نہج پر کیا جائے گا تو ہم سب کو علم ہے کہ عالمی سائنسی دنیا میں ہمارے اسلامی ممالک کے عصری تعلیمی اداروں کی کیا حیثیت ہے، لہٰذا مدارسِ دینیہ مناقشات کے عنوان سے عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصولِ دین کے معیارات کو اپنانے کے بجائے اپنی نہج پر قائم رہیں۔ بقول شاعر:

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

تخصص کے طلباء کے لیے مناقشات ایک اچھی مشق ہوسکتی ہے، کیونکہ اس سے ان طلباء کی صلاحتیوں میں مزید نکھار پیدا ہوگا، مثلاً جب تخصص کے طلباء اپنا فقہی تحقیقی کام پورا کرلیں تو ملک کے نامور اور مستند مدارس کے جید مفتیانِ کرام ایک کمیٹی کی صورت میں اس طالب علم سے اس کے فقہی تحقیقی کام سے متعلق ایک ڈیفنس کی صورت میں سوال و جواب کرلیں، مگر اس میں مستند مدارس کے جید مفتیانِ کرام پر ہی انحصار کیا جائے جن کے متعلق علم ہو کہ وہ مُتَصَلِّب ہیں اور ہرگز عصری تعلیمی اداروں کے پروفیسروں اور جدیدیت سے متاثر مفتیانِ کرام کو شامل نہ کیا جائے۔

اب ہم مناقشات کے بارے میں مزید گہرائی میں جاتے ہیں۔ مغربی ترقی یافتہ ممالک میں عصری تعلیمی اداروں و یونیورسٹیوں میں جو سب سے اعلیٰ ڈگری ہے، وہ پی ایچ ڈی کی ڈگری ہے جس میں سائنسی تحقیق کرنا سکھائی جاتی ہے۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری کا دورانیہ تین سے پانچ سال کا ہوتا ہے جس میں طالب علم سائنسی تحقیقی سوالات کے جوابات ڈھونڈتا ہے اور اپنے شعبے سے متعلق نئے علم کی تخلیق و تشریح کرتا ہے۔ جب پی ایچ ڈی سپروائزر یہ سمجھتا ہے کہ طالب علم کا سائنسی تحقیقی کام کسی قابل ہوگیا ہے تو باقاعدہ ایک تھیسس ڈیفنس کے انعقاد کے ذریعے اس طالب علم کو موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ پی ایچ ڈی

پر کھنے والی کمیٹی کے سامنے اپنا سائنسی تحقیقی کام پیش کرے، اس کو ڈیفینڈ کرے اور پھر کامیابی کی صورت میں یہ کمیٹی اس کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کر دیتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں سائنسی تحقیقی کام کی بنیاد پر ہی پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے اور جتنی اچھے معیار کی یونیورسٹی ہوگی، اور جس اعلیٰ معیار کے سائنسدان کی نگرانی میں طالب علم پی ایچ ڈی ڈگری کر رہا ہے، اُسی لحاظ سے مناقشات میں طالب علم کو مشکلات بھی پیش آتی ہیں۔ عمومی طور پر اقربا پروری یا غیر معیاری سائنسی تحقیقی کام پر یا تعلقات کی بنا پر پی ایچ ڈی کی ڈگری یونیورسٹیاں تفویض نہیں کرتیں، کیونکہ اس سے ان یونیورسٹیوں کی ساکھ پر منفی اثر پڑتا ہے، لہٰذا جو مغربی ترقی یافتہ ممالک سائنس وٹیکنالوجی میں مسلمان ممالک سے بہت آگے ہیں، اس کی بنیادی وجہ میرٹ کو مقدم اور معیار کا قائم رکھنا ہے۔

پاکستان کے عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں بھی پی ایچ ڈی کروائی جاتی ہے، مگر ماضی کے ناخُوش گوار تجربات کی وجہ سے ہائر ایجوکیشن کمیشن نے پی ایچ ڈی ڈگری کے قواعد وضوابط سخت کر دیئے ہیں، تاکہ پاکستانی یونیورسٹیوں سے بھی اعلیٰ معیار کے پی ایچ ڈی فارغ ہوں، مگر افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ باوجود اتنی سختی کے کچھ پاکستانی یونیورسٹیوں میں ابھی بھی تعلقات اور غیر معیاری پی ایچ ڈی ڈگریوں کا رواج ہے، یعنی ایچ ای سی نے اگر شرط رکھی ہے کہ ایک یا دو تحقیقی مقالے لکھے جائیں، تاکہ معیار قائم رہے تو بعض لوگ غیر معیاری تحقیقی جرائد میں اپنے مقالے چھاپ کر اس شرط کو پورا کر لیتے ہیں۔ اگر یہ شرط رکھی ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں سے کسی پروفیسر کو مُمتحن کے طور پر متعین کیا جائے تو بعض حضرات اس میں بھی تعلقات استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ طالب علم کو پی ایچ ڈی کی ڈگری آسانی سے مل جائے۔ اب اگر مدارسِ دینیہ بھی انہی یونیورسٹیوں کے نقشِ قدم پر چلیں گے تو پھر تخصص کے مناقشات بھی انہی عصری تعلیمی اداروں کے معیار کے مطابق ہونے لگیں گے۔ شروع میں تو ہو سکتا ہے کہ کچھ معیار قائم رہے، مگر پاکستانی عصری تعلیمی اداروں کا تجربہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسی کوئی تدبیر مکمل طور پر کارگر نہ ہوگی اور پھر مدارسِ دینیہ کے تخصص کے طلباء بھی اُسی ڈگری حاصل کرنے کی ریس میں لگ جائیں گے جو کہ عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصول دین کے لوگ اپناتے ہیں، لہٰذا ہماری رائے میں مدارسِ دینیہ کو عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصول دین کی طرح ہرگز ہرگز نہ ہونا چاہیے، ورنہ مدارس کا نظام ختم ہو جائے گا۔

نیز اس بات کی ذرہ برابر بھی کوشش اور فکر نہ کریں کہ دارالافتاء سے فارغ ہونے والے متخصصین حضرات اپنے فقہی تحقیقی مقالے سائنسی جرائد میں شائع کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان عصری تعلیمی اداروں کے بیشتر پروفیسر حضرات کی اپنی کوئی عالمی سائنسی حیثیت نہیں ہے اور وہ وہی غیر معیاری سائنسی تحقیق کا معیار مدارس میں بھی رواج دیں گے، لہٰذا پیسوں کے عوض کھلی رسائی والے جرائد، اور غیر معیاری سائنسی جرائد میں تحقیقی مقالے چھاپنے سے حتیٰ الامکان گریز کیا جائے اور مدارسِ دینیہ حتی الوسع

عصری تعلیمی اداروں کے فرسودہ اور غیر معیاری نظام کو اپنانے سے اپنے آپ کو بچائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ ان عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں سے متاثر ہوکر اسلاف کے طرزِ عمل سے صرفِ نظر نہ کریں، بلکہ اسلاف کے طریقۂ کار پر مضبوطی سے جمے رہیں۔

دیکھیے! اگر مدارسِ دینیہ کے مشیر سابق حکومتی بیوروکریٹ ہوں گے یا عصری جامعات کے پروفیسر ہوں گے تو پھر مدارس فکری ونظریاتی طور پر کہاں جائیں گے؟ یعنی یہ لوگ مدارسِ دینیہ میں وہ حکومتی وضعداری، انفرااسٹرکچر، اسٹینڈرڈ آپریٹنگ پراسیجرز تو لے کر آئیں گے، مگر فکری ونظریاتی طور پر مدارسِ دینیہ پھر اپنی اصل میراث سے دور چلے جائیں گے، لہٰذا گزارش یہی ہوگی کہ عصری تعلیمی اداروں کے نظام کو مدارسِ دینیہ ہرگز نہ اپنائیں۔ عصری تعلیمی اداروں کی فیکلیٹیز، فنڈنگ، طریقۂ تدریس، تحقیقی کام، اور ظاہری اسباب سے ہرگز متاثر نہ ہوں، بلکہ جو اسلاف کا طریقہ کار رہا ہے اسی پر کاربند رہتے رہیں، اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے چلیں، اسی میں نجات ہے اور اسی میں مدارسِ دینیہ کی بقا ہے۔ راقم نے چونکہ انہی عصری تعلیمی اداروں میں زندگی کھپادی ہے، انہی سے پڑھا ہے، انہی میں پڑھایا ہے، ملکی وعالمی سطح پر بھی ان عصری تعلیمی اداروں میں اپنی خدمات انجام دیتا رہا ہے اور جامعات کا ویژن تک بنایا ہے، لہٰذا بڑے درد دِل کے ساتھ یہ گزارشات کررہا ہے کہ ان عصری تعلیمی اداروں سے مدارسِ دینیہ ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوں۔

عصری تعلیمی اداروں میں تحقیق کے عنوان سے اگر مدارسِ دینیہ متاثر ہورہے ہیں تو ایک مثال سے بات واضح کرتا ہوں۔ پاکستان کے عصری تعلیمی اداروں میں کچھ پروفیسر حضرات مافیا کے طریقے پر کام کرتے ہیں اور ان کی اپنی ایک دنیا ہے، ان کو عالمی سائنسی تحقیقی دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ پاکستان کی مشہور جامعہ میں ایک جاننے والے پروفیسر ہیں، چار پانچ لاکھ ماہانہ تنخواہ، گاڑی، گھر، میڈیکل، یہ سب سہولیات ہیں، ہفتے میں ایک کورس جس کی تدریس صرف دو گھنٹے ہوتی ہے، وہ یہ کرتے ہیں، ان کی اپنی لیب ہے جس میں بیسیوں ماسٹرز کے اسٹوڈنٹس موجود ہیں اور کئی پی ایچ ڈی اسٹوڈنٹس ہیں، غرض یہ ان کی اپنی سلطنت ہے، اُن سے گاہے بگاہے بات چیت رہتی ہے اور اُن سے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ معیاری سائنسی تحقیق کریں، ایسی سائنسی تحقیق ہو جس کا معاشرے پر اثر ہو، آپ کے سائنسی مقالے دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں چھپیں، آپ کے یہاں سے ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کرنے والے طلباء کی استعداد اور معیار عالمی سطح کی ہو تو اُن کا جواب ان کے طرزِ عمل سے واضح ہے کہ دیکھیے! ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اپنی جان کھپائیں؟ کیا ضرورت ہے کہ عالمی معیار کی سائنسی تحقیق کی جائے؟ جب کام چل رہا ہے، ماسٹرز کے طلباء غیر معیاری کام کرکے ہی یونیورسٹی سے فارغ ہورہے ہیں، ڈگریاں مل رہی ہیں اور پذیرائی بھی مل رہی ہے، تو کون اس معیاری سائنسی تحقیق کا سر درد لے؟ افسوس کہ یہ وہ سوچ ہے جو کہ ہمارے عصری تعلیمی اداروں و یونیورسٹیوں میں رائج ہے، اسی وجہ سے ہم پاکستانی سائنس وٹیکنالوجی میں عالمی قوتوں کا مقابلہ نہیں کرپارہے۔ ابھی جب

یہی پروفیسر حضرات کے پاس ہمارے مدارس کے تخصص کے فارغ ہونے والے جارہے ہیں، تو یہ پروفیسر حضرات ان کو یہی سائنسی تحقیق بھی سکھا رہے ہیں اور مدارسِ دینیہ کے اندر بھی یہ غلط تحقیقی طریقہ کا رواج پڑ رہا ہے۔ نوجوان مفتیانِ کرام ''مفتی'' کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی ''ڈاکٹر'' تو بن رہے ہیں، مگر ان میں سائنسی تحقیقی صلاحیت کا فقدان ہے اور مشاہدے میں یہ بات آرہی ہے کہ اب یہ نوجوان مفتیانِ کرام بھی انہی عصری تعلیمی اداروں کی نہج پر چل کر غیر معیاری پاکستانی اور غیر معیاری عالمی سائنسی جرائد میں اپنے تحقیقی مقالے چھاپ رہے ہیں۔ یہ انتہائی فکرمندی کی بات ہے کہ مدارسِ دینیہ جو کہ اپنے معیاری فقہی مقالوں کی وجہ سے معروف ہیں، اُن میں اب یہ غیر معیاری سائنسی تحقیق کا زہر داخل ہورہا ہے۔

کوشش نمبر: ۱۳، جدید محاذ پر کام کرنے والے علماء کا علماء راسخین کے طرز کو چھوڑنا

ایک ذہن سازی نوجوان مفتیانِ کرام کی یہ کی جارہی ہے کہ وہ سمجھیں کہ علمائے کرام کے دو طبقات ہیں: ایک علماء راسخین اور دوسرے جدید محاذ پر کام کرنے والے علمائے کرام اور یہ جو جدید محاذ پر کام کرنے والے علمائے کرام ہیں، بس یہی سب کچھ ہیں اور ساری قابلیت، استعداد، خیالات کی پختگی، دینی و دنیاوی علوم میں رُسوخ صرف انہی کو حاصل ہے اور انہی جدید محاذ پر کام کرنے والے علماء کرام کے اندر صلاحیت ہے کہ وہ عالمی سطح پر دیگر اقوام سے مکالمہ بھی کرسکیں اور اُمت کی جدید مسائل میں راہ نمائی بھی کرسکیں۔ نیز یہ بات بھی ذہنوں میں بٹھائی گئی ہے کہ دیگر اسلامی ممالک میں انہی جدید محاذ پر کام کرنے والے علماء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، لہٰذا اس بات کی زور و شور کے ساتھ ترغیب چلائی جاتی ہے کہ نئے نوجوان علمائے کرام اپنے آپ کو علماء راسخین سے دور رکھیں، اور علماء راسخین کی نہج پر نہ چلیں، بلکہ مختلف شریعہ سرٹیفکیشن کریں، شریعہ ایڈوائزری بورڈز کے ممبر بنیں، اپنی کمپنیاں قائم کریں، اپنے اسٹارٹ اپس قائم کریں، میڈیا پر آئیں، کانفرنسوں کا انعقاد کروائیں، اور عصری تعلیمی اداروں کے ساتھ گھل مل جائیں۔ لازمی بات ہے کہ جب اس طرح کا اتحاد اور تعامل کیا جائے گا تو تھوڑی بہت لچک کا مظاہرہ تو کرنا ہی ہوگا، یعنی پھر خواتین کے ساتھ تعامل اور اختلاط بھی ہوگا، تصویریں بھی بنیں گی، منکرات میں تھوڑا بہت شامل ہونا پڑے گا۔ دیکھیے! یہ ساری چیزیں دنیادار طبقے میں ہوتی تھیں، مگر جس سُرعت کے ساتھ نوجوان مفتیانِ کرام ان منکرات کو اختیار کررہے ہیں یہ بہت تشویش کی بات ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ذہن سازی بھی کی جارہی ہے کہ جدید محاذ پر کام کرنا علماء راسخین کا کام نہیں ہے، یہ فرسودہ اور دقیانوسی مدارس کے لوگ ہیں اور یہ معاشرے کے لیے مفید بھی نہیں، نعوذ باللہ۔ یہ تمام باتیں راقم کی ذہنی اختراع نہیں، بلکہ مشاہدات پر مبنی ہیں کہ کچھ مدارس کے نوجوان علمائے کرام کی ایک مُعتَد بہ تعداد اس ذہنیت کی حامل ہوگئی ہے۔ اللہ پاک مدارس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

کوشش نمبر: ۱۴، اکابر کی رائے کو منظم طریقے سے روکنا

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ اکابر کی کسی مسئلہ میں دی گئی رائے کو منظم طریقے سے روکا جائے۔ راقم کو ایک بہت ہی عجیب مشاہدہ ہوا اور وہ یہ کہ ایک مسئلہ سے متعلق اکابر میں سے ایک انتہائی معتبر شخصیت نے اپنی ایک رائے دی ہوئی ہے اور کئی پلیٹ فارمز پر دی ہوئی ہے جس میں تحریراً اور تقریراً دونوں ہی مواد شامل ہیں۔ راقم کو براہِ راست بھی ان بزرگ شخصیت سے بات کرنے کی توفیق ملی تو ان بزرگ شخصیت نے اپنی اُسی رائے کو راقم کے سامنے بھی دہرایا۔ اب ان بزرگ شخصیت کی رائے کو بڑے ہی منظم طریقے سے دھندلانے کی کوشش کی جارہی ہے اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اُنہوں نے یہ بات کی ہی نہیں اور نہ ہی اُن کی کسی جدید مسئلہ میں ایسی کوئی رائے ہے۔ عجیب بات اس میں یہ ہے کہ ایسا کرنے والوں میں اُن بزرگ کے گرد جو کچھ حلقۂ احباب ہیں اور کچھ صاحبانِ علم ہیں، وہی یہ سب کچھ کررہے ہیں اور جان بوجھ کر منظم طریقے سے کررہے ہیں۔ اس سے راقم کے اس تشویش کو مزید تقویت ملتی ہے کہ اکابر کی اپنی ایک رائے ہوتی ہے اور اس پر وہ جمے ہوتے ہیں، مگر کچھ خاص لوگ جن کا ایک خاص ایجنڈہ ہوتا ہے، وہ اکابر کے آس پاس رہتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اکابر کی اس رائے کی نفی کرتے رہتے ہیں، بلکہ ایسے تمام مواد اور لوگوں کو ان اکابر سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے ان کا نظریہ نہیں ملتا اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے یہ لوگ اپنی پوری کوشش کرکے یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی دوسری رائے اور حقائق اکابر تک نہ پہنچ پائیں اور نہ ہی اکابر کی بات عوام تک پہنچ پائے اور اگر پہنچ بھی جائے تو یہ لوگ منظم طریقے سے اس کی نفی کردیتے ہیں اور یہ تأثر دیتے ہیں کہ وہ حضرات چونکہ اکابر کے ''قریب'' ہیں، لہٰذا ان کی بات کو تسلیم کیا جائے کہ اکابر نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے اکابر کو کہ ان کو ایسے لوگوں سے متعلق فراست ہے اور اکابر کو ان تمام باتوں کا ادراک بھی ہے۔

ہماری گزارش اس تناظر میں یہ ہوگی کہ مدارسِ دینیہ کے اکابر حضرات اپنے اردگرد کے لوگوں پر خاص نظر رکھیں، کیونکہ ایسے ہی حضرات اُمت میں افتراق کا ذریعہ بنتے ہیں اور انہی حضرات کی وجہ سے دیگر اکابرین میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے ہی حضرات کی وجہ سے یہ تأثر جاتا ہے کہ اکابر کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی سے اس تأثر کو بھی مزید تقویت ملتی ہے کہ گزشتہ کئی سالوں کی محنت سے اکابر حضرات کو ٹارگٹ کیا گیا ہے اور بجائے اس کے کہ اکابر کی براہِ راست نفی کی جائے، اکابر کے اردگرد جتنے بھی معتمد خاص لوگ ہیں، ان پر محنت کی جائے، ان کے ذہنوں کو تبدیل کیا جائے اور ''اپنے لوگ'' مدارسِ دینیہ میں امپلانٹ یعنی مدارس کے سسٹم میں داخل کیے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اکابر کو بذاتِ خود اپنے ادارے کی جانب سے اپنا موقف عوام تک پہنچانے میں مشقت

ہوتی ہے۔ اس بات کو شطرنج کے کھیل کی مثال سے سمجھتے ہیں۔ شطرنج کے کھیل میں جب کسی مخالف بادشاہ کو مات کرنا ہدف ہوتا ہے تو اس مخالف بادشاہ کو براہِ راست مارا نہیں جاتا، بلکہ مخالف بادشاہ کے اردگرد جتنے بھی مُہرے ہوتے ہیں ان کو شکست دی جاتی ہے اور بالآخر بادشاہ کو بھی شکست ہوجاتی ہے۔ اب مدارسِ دینیہ کے تناظر میں جو کچھ بڑے اکابر ہیں، ان کے اردگرد کچھ صاحبانِ علم کے ذہنوں کو ہی کئی سالوں کی محنت سے تبدیل کرلیا گیا ہے، جس کی وجہ سے کچھ دینی مدارس کو بحیثیتِ ادارہ کسی مسئلہ میں اپنی رائے دینے میں دشواری ہوتی رہی ہے، کیونکہ اندر ہی سے رکاوٹ ہے۔

کوشش نمبر:۱۵، تقریبِ ختمِ بخاری ہوٹلوں میں منعقد کرنا

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ اسلاف کے طریقہ کار سے ہٹا جائے اور اسی سلسلے میں کچھ صاحبانِ علم جو کہ دیارِ مغرب سے تعلیم حاصل کرکے آئے ہیں، مدارس سے دینی تعلیم بھی حاصل کی ہے اور پھر مدارس سے منسلک ہوگئے ہیں، اکابر کے نام لیوا بھی ہیں، مگر دانستہ یا نادانستہ طور پر اکابر کے طرزِ عمل سے دوری اختیار کررہے ہیں اور تقریبِ ختمِ بخاری اب عالیشان ہوٹلوں میں منعقد ہونا شروع ہوگئی ہیں۔ اس میں کافی سارے مفاسد اکٹھے ہورہے ہیں، مثلاً تصویر کشی، فلم سازی، دینی تعلیم کی روح سے ہٹ کر ظاہری شان وشوکت کو ظاہر کرنا، طعام میں دسترخوان کی ترتیب سے ہٹ کر ٹیبل کرسی کو اختیار کرنا اور مسجد کے نورانی ماحول سے نکل کر ہوٹلوں میں ایسی تقاریب کو منعقد کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ وہ حضرات یہ سارا عمل مدارسِ دینیہ میں جِدّت لانے کے عنوان سے کررہے ہیں اور ان حضرات کا مطمحِ نظر بادی النظر میں یہ لگتا ہے کہ اُن کے ذہنوں میں یہ بات ہے کہ غیروں کی اچھی چیزوں کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔ ہمارے اکابر کی کبھی بھی یہ سوچ اور عمل نہیں تھا کہ ظاہری شان و شوکت پر توجہ دیتے، بلکہ وہ تو اخلاص کے پیکر تھے۔ وہ روکھی سوکھی کھا لیتے تھے، اسباب کے حساب سے وسائل کی تنگی تھی، مگر غیروں کی اچھی چیزوں کو بھی بالکلّیہ اختیار نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس میں تشبہ بالکفار ہوتا، بلکہ ہمیشہ اسلاف کے طریقہ کار کو اختیار کرتے تھے۔ ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ ضرور حضرت مولانا قاری محمد طیب قدس اللہ سرہ کی کتاب ''التشبہ فی الاسلام'' کا مطالعہ فرمالیں جس میں ان تمام مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے اور مختلف اشکالات کے جوابات شافی صورت میں دیئے گئے ہیں۔

کوشش نمبر:۱۶، ٹی وی پروگرامز اور مخلوط محفلوں میں جانا

ایک تأثر جو مدارسِ دینیہ کے نوجوان طلبائے کرام کے ذہنوں میں ڈالا جارہا ہے، وہ یہ کہ وہ یہ سوچیں مدارس کی تعلیم سے فراغت کے بعد ان کے کیریئر کا کیا ہوگا؟! اور ہماری رائے میں یہ بھی مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی ایک خفیہ کوشش ہے، یعنی کچھ صاحبانِ علم ان نوجوان طلبائے کرام کو باقاعدہ

ترغیب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جب آپ مدرسہ کی تعلیم سے فارغ ہو جائیں تو آپ ہمارے جیسے بنیں اور وسعتِ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے متحرک ہوں، اور ٹی وی پروگرامز اور مخلوط محفلوں میں شرکت کریں۔ آپ نوجوان علمائے کرام جب معاشرے میں مکمل طور پر Integrate گھل مل جائیں گے تو اس سے مدارسِ دینیہ کو تقویت ملے گی اور مدارس کا موقف میڈیا کے توسط سے عوام الناس تک آسانی سے پہنچے گا۔ اب جب نوجوان علمائے کرام اپنے سے بڑوں کو اس طرح کے ٹی وی پروگرامز اور مخلوط محفلوں میں جاتا دیکھتے ہیں تو وہ خود بھی اس عمل کو قابلِ رشک نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی طرز پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابتداء میں تو محض چند افراد ہی مدارسِ دینیہ کے موقف کو میڈیا کے ذریعے عوام تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے، مگر آہستہ آہستہ ایک کثیر تعداد نوجوان مفتیانِ کرام کی اب میڈیا کے ساتھ منسلک ہوگئی ہے اور اُن کا اوڑھنا بچھونا میڈیا بن گیا ہے۔ مدارسِ دینیہ کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت ہے کہ مدارسِ دینیہ سے فارغ ہونے والے حضرات ظاہری و باطنی ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب فرمائیں۔

کوشش نمبر: ۱۷، ’’مولانا‘‘ اور ’’مفتی‘‘ کے القابات سے احتراز کرنا

مدارسِ دینیہ کو ختم کرنے اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ کے طلباء کے ذہنوں میں عصری تعلیمی اداروں کی ڈگریوں کی اہمیت بٹھا دی جائے اور نتیجتاً وہ معزز مذہبی القابات کو استعمال کرنے سے گریز کریں۔ یہ کوشش تو سامراجی دور سے کی جاتی رہی ہے کہ لفظ ’’مولانا‘‘، ’’مُلا‘‘ اور ’’مولوی‘‘ کی تحقیر کی جائے اور عوام کو علمائے کرام سے متنفر کیا جاسکے۔

حضرت مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب دامت برکاتہم ایک سائل کے جواب میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

’’’’مولانا‘‘، ’’مُلّا‘‘ اور ’’مولوی‘‘ یہ الفاظ بالعموم اسلامی پیشواؤں کے لیے احترام و تعظیم کی غرض سے بولے جاتے تھے اور اب بھی شرفاء کے ہاں تعظیم کے لیے ہی مستعمل ہیں۔ کسی عالم دین کے لیے ہمارے ہاں احتراماً ’’مولانا‘‘ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، افغانستان اور آزاد ریاستوں نیز ترکی تک ’’دینی عالم‘‘ کو ازراہِ احترام یا علمی فراوانی کی وجہ سے ’’ملا‘‘ یا ’’منلا‘‘ کہا جاتا تھا، ہمارے ہاں لفظ ’’علامہ‘‘ اسی کے مترادف استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا ترس ماہرِ علم کے لیے فارسی بولنے والے خطوں میں ’’مولوی‘‘ کا لفظ استعمال کیا جاتا رہا ہے اور وہیں سے ہمارے ہاں بھی وارد ہو کر عام استعمال میں آچکا ہے، جیسے ’’مولوی معنوی‘‘، ’’مولوی عبدالحق‘‘ وغیرہ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

’’مولوی اسی کو کہتے ہیں جو مولیٰ والا ہو، یعنی علم دین بھی رکھتا ہو اور متقی بھی ہو، خوفِ خدا وغیرہ اخلاقِ حمیدہ رکھتا ہو۔‘‘ (التبلیغ،ص:۱۳۳، جلداول بحوالہ تحفۃ العلماء از مولانا محمد زید، جلد اول، ص:۵۲، البرکۃ کراچی)

نیز لکھتے ہیں: ’’مولوی میں نسبت ہے مولیٰ کی طرف، یعنی مولیٰ والا۔‘‘ (ایضاً)

الغرض یہ الفاظ اصطلاحی اعتبار سے ازراہِ احترام دین کے ماہر و مستند علماء کے لیے ایجاد و استعمال ہوتے تھے۔ فی زمانہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والا دین بیزار طبقہ، جو دین کو براہِ راست مطعون کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا، وہ علمائے دین سے تقدس و احترام کی چادر کھینچ کر اپنی مذہب بیزاری کی تسکین چاہتا ہے، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ایسے علماء جو اپنے کردار و عمل کی بنا پر باطل کی آنکھوں کا کانٹا بنتے چلے آرہے ہوں، ہمیشہ سے باطل پرستوں کے نشانہ پر رہے ہیں، اور ان کے خلاف مختلف قسم کے پروپیگنڈے، الزامات اور بے توقیری کے القابات عام کیے جاتے ہیں، تاکہ عوام متنفر ہوکر ان سے دور ہوجائیں، اور علماء سے دوری، دین سے دوری کا باعث ثابت ہوتا ہے، اس طرح دین بیزار طبقہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی ڈھونڈتا چلا آرہا ہے۔'' (مفتی رفیق احمد بالاکوٹی مدظلہ، مولانا، ملا اور مولوی کی اصطلاحات، جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ، مارچ ۲۰۱۶ء)

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ القابات معزز ہیں اور اسلامی پیشواؤں کے لیے احترام و تعظیم کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور ان القابات کا استعمال صحیح جگہوں پر کرتے ہوئے اِحتراز نہیں کرنا چاہیے، البتہ ان القابات کے استعمال میں افراط و تفریط سے بھی گریز کرنا چاہیے، جیسا کہ تحریر ہے:

''آج کل ہمارے معاشرے میں مذہبی القاب کے استعمال کرنے میں جو بے اعتدالیاں پائی جارہی ہیں، وہ کسی پر اوجھل نہیں۔ نام کے آگے القابات پر القابات جڑ دیے جاتے ہیں، خواہ وہ شخص ان صفات کا حامل ہو یا نہ ہو۔ آئے روز نئے سے نئے اور بڑے سے بڑے القابات سامنے آتے ہیں، بعض اوقات تو جلسوں میں اور بعض دیگر مجالس میں امیروں، وزیروں، عہدیداروں، پیروں اور خصوصاً علماء کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں، مثلاً کسی کے لیے حجۃ الاسلام، کسی کے لیے شیخ الاسلام، کسی کے لیے شیخ الفقہ، کسی کے لیے شیخ الحدیث، کسی کے لیے مفتی اعظم، کسی کے لیے خطیب بے بدل، خطیبِ زماں، نمونۂ اسلاف، محققِ دوراں، محقق العصر، علامۃ العصر، محدث العصر، فقیہِ زماں، جامعِ علومِ عقلیہ و نقلیہ، شیخ المشائخ، اعلیٰ حضرت، مفکرِ اسلام، غزالیِ وقت، غزالیِ دوران، شہنشاہِ خطابت، محقق علی الاطلاق، محدثِ اعظم، شیخ الجامعہ، ولیِ کامل، رہبرِ شریعت، ثانیِ جنیدؒ، وغیرہ وغیرہ۔'' (مولانا سید محمد انور شاہ، مذہبی القابات اور ہماری بے اعتدالیاں، ماہنامہ بینات، ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ، اگست ۲۰۱۹ء)

ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بعض نوجوان مفتیانِ کرام بڑے فخر سے ''ڈاکٹر'' کے القابات اور مختلف عالمی شریعہ سرٹیفکیشن تو بہت فخریہ انداز میں اپنے نام سے پہلے استعمال کرتے ہیں، البتہ وہ ''مولانا''، اور ''مفتی'' کے القابات سے احتراز کرتے ہیں اور وہ یہ دنیاوی طبقہ کے اندر زیادہ کرتے ہیں اور غالباً وہاں ایسا کرنے سے ان میں سے کچھ حضرات کا مقصد یہ ہوتا ہوگا کہ وہ دنیادار طبقے کو باور کرواسکیں

کہ دین دار طبقہ بھی یہ دنیاوی ڈگریاں لے سکتا ہے اور دنیاوی علوم میں کسی سے پیچھے نہیں۔ ہماری تشویش یہ ہے کہ ان نوجوان مفتیانِ کرام پر دنیاوی ڈگریوں اور ''ڈاکٹر'' جیسے القابات کا ایک سحر طاری کردیا گیا ہے اور یہ نوجوان مفتیانِ کرام نے اب اپنے آپ کو دنیا دار ڈگری والوں کی طرح ڈھالنا شروع کردیا ہے۔ ایسے نوجوان مفتیانِ کرام کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ نوجوان مفتیانِ کرام تو دین کی اصل نمائندگی کرنے والے ہیں، آپ دین کو مستحکم کرنے والے ہیں، دین کے سپاہی ہیں، آپ حضرات نے ہی اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنی ہے، لہٰذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ کو اپنی دینی نسبت ہونے پر فخر ہونا چاہیے، چہ جائیکہ ''مولانا'' اور ''مفتی'' کے القابات لگانے سے احتراز کیا کریں۔

خلاصۂ مضمون اور مدارس کو کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں کے تدارک کے سلسلے میں چند گزارشات

خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ ہی وہ جگہیں ہیں جہاں پر دین اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور اگلی نسل میں منتقل ہونے کا ذریعہ ہے۔ اگر ان مدارس کو اُن کی اصل شکل میں قائم رکھا گیا- جو کہ رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ- اور مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں کا بروقت تدارک کیا گیا، تو ہم امید رکھتے ہیں کہ دین اپنی اصل شکل میں آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتا رہے گا۔ اس سلسلے میں بندہ نے مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں کے تدارک کے سلسلے میں چند گزارشات پیش کی ہیں، ان کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

- تحقیق کے عنوان سے مدارس میں غیر معیاری وغیر سائنسی تحقیق کو پنپنے نہ دیا جائے اور ایسے لوگوں اور اداروں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو کہ غیر معیاری وغیر سائنسی تحقیق ان مدارس میں رائج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
- اگر کوئی سائنسی تحقیقی موضوع ہے جس پر تحقیق جاری ہے تو ایسے تمام مباحث کو علمی حلقوں تک محدود رکھا جائے اور عوامی سطح پر حتمی رائے پیش کرنے سے گریز کیا جائے، تا آنکہ اس سائنسی مسئلے سے متعلق جمہور مفتیانِ کرام کی رائے نہ آجائے۔
- اگر جمہور مفتیانِ کرام کی رائے کسی مسئلے سے متعلق عدمِ جواز کی ہو تو تحقیق کی آڑ میں اس کے جواز کے دلائل کو کو عوامی سطح پر موضوعِ بحث نہ بنایا جائے اور نہ ہی اس کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی جائے، کیونکہ اس سے عوام کا مشتبہ چیزوں میں پڑنے کا اندیشہ ہوگا۔
- مدارس میں تحقیق کے حوالے سے ہرگز جمود نہ طاری کیا جائے، بلکہ جس طریقے سے مستند مدارس میں تحقیقی کام چل رہا ہے اس کو مزید پروان چڑھایا جائے۔ البتہ چونکہ مدارس ہی کے اندر کچھ ایسے ''ڈاکٹر'' حضرات بھی آچکے ہیں جن کے ذہن مغربیت سے متأثر ہیں اور جو جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹ کر انفرادی رائے رکھتے ہیں جو کہ سائنسی طور پر بھی درست نہیں، لہٰذا اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ

صرف اُن کی معلومات پر اندھا اعتماد نہ کیا جائے ، بلکہ سائنسی معلومات کئی عالمی سائنسی اور معاشی ماہرین سے لی جائیں، تاکہ مسئلہ کی سائنسی ماہیت سمجھنے میں کوئی پروپیگنڈہ شامل نہ ہو اور اصل سائنسی حوالہ جات کی جانچ پڑتال بھی کی جائے ، پھر جا کر کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم کی جائے۔

● کچھ مدارس میں مناقشات (تھیسس ڈیفینس) کے حوالے سے جونئی ترتیب شروع ہوئی ہے، اس میں محتاط رویہ اپنانے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ اگر عصری تعلیمی اداروں کی نہج پر کیا جائے گا تو ہم سب کو علم ہے کہ عالمی سائنسی دنیا میں ہمارے اسلامی ممالک کے عصری تعلیمی اداروں کی تحقیق کیا حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا مدارسِ دینیہ مناقشات کے عنوان سے عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصول دین کے معیارات کو اپنانے کے بجائے اپنی نہج پر قائم رہیں اور اس بات کی ذرہ برابر بھی کوشش اور فکر نہ کریں کہ دارالافتاء سے فارغ ہونے والے متخصصین حضرات اپنے فقہی تحقیقی مقالے پاکستانی غیر معیاری سائنسی جرائد یا عالمی غیر معیاری سائنسی جرائد میں شائع کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان عصری تعلیمی اداروں کے بیشتر پروفیسر حضرات کی اپنی کوئی عالمی سائنسی حیثیت نہیں ہے اور وہ وہی غیر معیاری سائنسی تحقیق کا معیار مدارس میں بھی رواج دیں گے، لہٰذا پیسوں کے عوض کھلی رسائی والے جرائد، اور غیر معیاری سائنسی جرائد میں تحقیقی مقالے چھاپنے سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔

● مدارسِ دینیہ بذاتِ خود کسی مسئلے میں فریق نہ بنیں، یعنی مدارسِ دینیہ سے وابستہ افراد کا کسی مسئلہ میں مفاد وابستہ نہ ہونا چاہیے، وگرنہ مدارسِ دینیہ کسی سائنسی مسئلہ میں غیر جانبدارانہ شرعی حکم نہ بتا سکیں گے۔

● جدید سائنسی مسائل بتاتے وقت اگر مدارسِ دینیہ نو جوان مفتیانِ کرام میں بنیادی سائنسی صلاحیت پیدا کر دیں کہ کس طریقے سے تعین کیا جائے گا کہ کون سی سائنسی تحقیق معیاری ہے اور کون سے سائنسدان عالمی طور پر مستند مانے جاتے ہیں تو اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ کسی بھی سائنسی مسئلے میں اس چیز کی اصل اور حقیقی ماہیت نکھر کر سامنے آئے گی جس سے مفتیانِ کرام کو صحیح مسئلہ اُمت کو بتانے میں سہولت ہوگی، ورنہ بتائے گئے مسئلہ کی سائنسی بنیاد کمزور اور درست نہ ہوگی۔

● مدارسِ دینیہ ٹیکنالوجی سے متعلق ایسے کورسز کروانے اور اس کے ذریعے سے پیسے کمانے کے طریقے نو جوان مفتیانِ کرام کو سکھانے سے اجتناب کریں جس ٹیکنالوجی کے مشتبہ ہونے کا شبہ ہے۔

● حکومتی شریعہ ایڈوائزری بورڈز میں صرف انہی لوگوں کو آگے جانے دیا جائے جو متصلّب ہوں اور جمہور اور اکابر حضرات کی رائے کو ہی فوقیت دی جائے۔ اگر تحقیق سے کسی شریعہ ایڈوائزر کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ جمہور کی رائے سے ہٹ کر رائے اختیار کر رہے ہیں اور اپنے ایجنڈے کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے عہدے و حکومتی وسائل کو استعمال کر رہے ہیں تو اُن کے خلاف بڑے اکابرین کے مشورے سے تادیبی کارروائی کے بارے میں سوچا جائے اور آئندہ کے لیے اُن کو

شریعہ ایڈوائزی بورڈ کا ممبر نہ بننے دیا جائے۔

● مدارس کے اندر اکابرین کی مشاورت سے ایسا نظم بنایا جائے کہ کوئی نوجوان صاحبِ علم اپنے ''مفتی'' کے ٹائٹل کو استعمال کرتے ہوئے عوامی سطح پر جمہور علمائے کرام کی رائے سے نہ ہٹے، تاکہ عوام گمراہی سے بچے رہیں۔

● اسمارٹ فون سے متعلق اکابر علمائے کرام کی رائے کو پیشِ نظر رکھا جائے اور مدارس کے پاکیزہ ماحول کو اس سے دور رکھا جائے۔

● مدارس کے نصاب کی تبدیلی سے حتیٰ الامکان گریز کیا جائے اور اُن مدارس کی حوصلہ شکنی کی جائے جو کہ روایتی دینی کُتب کو فرسودہ بیان کررہے ہیں۔ نیز نصاب میں تبدیلی ضرورت کے درجے میں ہونی چاہیے، مگر اس کے لیے وفاق المدارس کے متعلقہ فورم سے ہی رجوع کیا جائے اور اُنہی اکابرین کی سفارشات پر عمل کیا جائے جو کہ نصاب کمیٹی میں شامل ہیں۔

● انگریزی سکھانے کی آڑ میں ایسے علمائے کرام کہ جن کو انگریزی نہیں آتی، اُن کی ہرگز تحقیر نہ کی جائے، بلکہ نوجوان مفتیانِ کرام کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ یہ سوچ رکھیں کہ اصل علم ان روایتی علمائے کرام اور مدارس کے مُدَرِّسین کے ہی پاس ہے، چہ جائے کہ اُن کی انگریزی نہ آنے کی وجہ سے تحقیر کی جائے۔

● دینی علوم حاصل کرنے کے لیے روایتی دینی کُتب پر ہی انحصار کیا جائے، چہ جائے کہ مستشرقین اور عصری دینی تعلیمی اداروں کی کُتب بنیادی مآخذ کے طور پر مدارس میں رائج کی جائیں۔

● معاشیات کے علوم کے لیے عالمی سائنسی و معاشی ماہرین کی تحقیق کو پڑھنے کو رواج دیا جائے اور اُن کی سائنسی تحقیق پر ہی مسئلہ کی بنیاد رکھی جائے اور غیر معیاری و غیر سائنسی تحقیق میں ہرگز ہرگز پاکستانی اور عالمی غیر معیاری سائنسی جرائد کو فوقیت نہ دی جائے، بلکہ ایسے تمام جرائد کی نشاندہی کرکے مدارس میں تخصص کے طلبائے کرام کو اُن جرائد میں چھاپنے کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔

● مسائل کا متبادل حل دیتے وقت شریعت کے احکامات کے دائرہ میں رہتے ہوئے متبادل حل ڈھونڈا جائے۔

یہ چند گزارشات تھیں جو کہ راقم نے مدارس سے متعلقہ حضرات کی خدمت میں پیش کردیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے مدارسِ دینیہ کی ہر طرح سے حفاظت فرمائے، اور علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مولانا سید محمد شاہد سہارن پوریؒ کی رحلت

محمد اعجاز مصطفیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے نواسہ، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم اعلیٰ کتبِ کثیرہ کے مصنف، نامور عالم دین حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارن پوریؒ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ مطابق ۶؍اکتوبر ۲۰۲۳ء بروز جمعہ مغرب سے پہلے اس دنیائے رنگ و بو میں ۷۶ بہاریں گزار کر راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے، إنا للہ وإنا إليه راجعون، إن للہ ماأخذ ولهٗ ما أعطى وكل شيء عندهٗ بأجل مسمّٰى.

مولانا سید محمد شاہد ۲۱؍جنوری ۱۹۵۱ء بروز جمعہ اپنے نانا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے گھر سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۸؍جولائی ۱۹۵۶ء کو خانقاہ عالیہ رائے پور میں تعلیم کی بسم اللہ ہوئی۔ ۲۲؍فروری ۱۹۶۰ء بروز جمعہ دعوت وتبلیغ کے امیر دوم حضرت جی مولانا محمد یوسف، امیر سوم حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی اور مولانا حکیم سید محمد ایوب کی موجودگی میں حفظ کی تکمیل ہوئی۔ کچھ عرصہ عصری تعلیم بھی حاصل کی۔ ۶؍فروری ۱۹۶۶ء کو مظاہر علوم میں درجہ متوسطہ میں باضابطہ داخلہ ہوا اور اس سال رمضان المبارک کی تراویح میں مسجد حکیماں والی اپنی خاندانی مسجد میں قرآن مجید سنایا۔

۱۵؍جنوری ۱۹۶۹ء کو مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا۔ شعبان ۱۳۹۰ھ، اکتوبر ۱۹۷۰ء میں مظاہر علوم سہارن پور سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری کے ہاں بخاری شریف ومسلم شریف، مولانا محمد عاقل صاحب کے ہاں ابوداؤد اور نسائی شریف، مولانا مفتی مظفر حسین کے ہاں ترمذی شریف، مولانا اسعد اللہ صاحب کے پاس طحاوی شریف پڑھیں۔ اگلے سال دسمبر ۱۹۷۰ء سے اکتوبر ۱۹۷۱ء تک بیضاوی، مدارک، درمختار، ملاحسن، دیوان متنبی پڑھ کر تکمیل کا کورس مکمل کیا۔ شوال ۱۳۹۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۲ء سے مظاہر علوم میں تدریس کا آغاز کیا اور آخری دم تک مظاہر علوم ہی میں متوسطہ سے دورہ حدیث شریف تک اسباق پڑھائے۔ تدریس میں بھی مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری اپنے بزرگوں کی روایات کے امین رہے۔ مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری کو یہ اعزاز حاصل

ہے کہ اپنی پیدائش سے لے کر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ کے وصال تک ان کے شب وروز اپنے نانا شیخ الحدیث کے زیر تربیت وزیر سایہ گزرے۔ ان کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ درس وتدریس، تصوف وتبلیغ، تصنیف وتالیف، مظاہر علوم کے نظم ونسق میں حضرت شیخ الحدیث کی روایات کا پرتو لیے ہوئے تھے۔ مظاہر علوم کی تعمیر وترقی، تعلیمی وتربیتی ماحول کو وہ عروج بخشا جو آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ بیک وقت مظاہر علوم کی نظامت اور نظام الدین دہلی کے تبلیغی مرکز کی خدمت دونوں کو اپنے ساتھ لے کر چلے۔ مظاہر علوم اور نظام الدین کے معاملات کے مدوجزر میں بہت ہی امن وسلامتی، دور بینی اور بیدار مغزی اور بالغ نظری سے حالات کی کشتی کو صحیح سمت اور منزل پر جا کر اُتارا۔

جامعہ مظاہر علوم کی تاریخ، اس کی خدمات، مظاہر علوم کے فضلاء کے حالات وواقعات پر ایسی شاندار اور وقیع کئی کتابیں تحریر کیں جو تاریخ میں اپنے مثالی کردار کی حامل ہیں۔ مظاہر علوم کی تاسیس سے لے کر اس وقت تک کی مکمل تاریخ کا ایسا نقشہ قلم بند کیا کہ برصغیر کی پوری تاریخ کا خلاصہ بھی قلم بند ہوگیا۔ آپؒ تاریخ مظاہر اور خدمات مظاہر پر کلید کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا سید محمد شاہد سہارن پوریؒ کے بیرون کے بہت تبلیغی اسفار ہوئے، جہاں تشریف لے جاتے اپنی باغ وبہار شخصیت کی یادیں چھوڑ آتے۔ ان کا تبلیغی وعلمی بہت بڑا حلقہ تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کی علمی جانشینی اور ان کے خاندان کے جملہ اکابر کی روایات کے آپ علمبردار تھے اور اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ وہ عبقری انسان تھے۔ شب وروز دینی تعلیم کو ترویج دینے اور پروان چڑھانے میں آپ کا ایک مثالی کردار رہا، درجنوں کتابیں آپ کی قلمی یادگار ہیں، جس میں بعض کئی جلدوں میں ہیں۔ ۱۹۹۳ء سے جامعہ مظاہر علوم کے امین عام تھے، اس وقت اپنے حالاتِ زندگی ''حیاتِ مستعار'' کے نام سے لکھ رہے تھے، جس کی تین جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں، چوتھی اور آخری جلد زیر تصنیف تھی، جامعہ مظاہر علوم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے باہمی تعلقات پر ایک دستاویزی کتاب ''دو علمی آبشار'' طباعت کے لیے پریس جا چکی ہے۔ ماہنامہ مظاہر علوم کے مدیر مولانا عبداللہ خالد قاسمی، مولانا شاہد سہارن پوری جامعہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ کی بابت لکھتے ہیں کہ: ''مدرسہ کے داخلی وخارجی معاملات ومسائل پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، طلبہ کے مسائل، تعلیمی سرگرمیوں پر نظر، اس کے استحکام کے لیے مسلسل کوشش، مدرسہ کے مالیاتی نظام کو باریک بینی سے دیکھنا اور اس کے سلسلہ میں صائب اور درست فیصلے کرنا، یہ وہ امتیازی خصوصیت تھی جن کی بنا پر برملا یہ کہا جاتا ہے کہ مظاہر علوم کی تاریخ میں ایسی جفاکش، محنتی اور تدبیر وتدبر کی حامل شخصیت نہیں گزری۔''

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، اور ان کے لواحقین، منتسبین اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ بینات حضرت مولانا کے لواحقین سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور قارئینِ بینات سے ان کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتا ہے۔

خواتین کی آواز کا پردہ

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

کیا آواز کے پردے کا حکم قرآن پاک یا احادیثِ شریفہ میں ہے؟ اور وہ خواتین جو مرد حضرات کے ساتھ یونیورسٹی وغیرہ میں تعلیم حاصل کرتی ہیں، وہ اگرچہ مرد حضرات سے کوئی بات نہ بھی کریں تب بھی آواز کا پردہ برقرار نہیں رکھ پاتی ہیں، کلاس میں سوال و جواب یا پریزینٹیشن وغیرہ میں انہیں سامنے آ کر بولنا ہی ہوتا ہے، کیا اس صورت میں گناہ ہوگا؟

الجواب حامدًا و مصليًا

صورتِ مسئولہ میں راجح قول کے مطابق عورت کی آواز پردے کے حکم میں داخل نہیں ہے، لیکن چونکہ عورت کی آواز فتنہ کا باعث بن سکتی ہے، اس لیے بلاضرورت غیر مردوں سے بات چیت سے اجتناب کیا جائے، البتہ اگر بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پردے میں رہ کر سنجیدہ اور استغناء بھرے لب ولہجہ کے ساتھ دوٹوک اور بقدرِ ضرورت بات کرنا چاہیے، تاکہ مخاطب مرد کے دل میں غلط طمع، رغبت اور کھوٹ پیدا نہ ہو۔ اس محتاط اندازِ گفتگو کی صورت میں کوئی گناہ بھی نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

’’يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا‘‘ (الاحزاب:۳۲)

’’اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے)

بولنے میں (جب کہ بضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو، (اس سے) ایسے شخص کو (طبعاً) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو۔'' (بیان القرآن)

''غمز عیون البصائر''میں ہے:

''وصوتها عورة في قول في شرح المنية، الأشبه أن صوتها ليس بعورة وإنما يؤدي إلى الفتنة وفي النوازل نغمة المرأة عورة و بنى عليه أن تعلمها القرآن من المرأة أحب إلي من تعلمها من الأعمٰى، ولذا قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء، فلايجوز أن يسمعها الرجل ، كذا في الفتح (مم) .'' (غمز عیون البصائر، ج:۳،ص:۳۸۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	محمد ابراہیم فضل خالق
الجواب صحیح		دارالافتاء
محمد عبدالقادر		جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نَقدُ و نَظَر

ادارہ

کامیاب انسان

مؤلف: مولوی محمد صدیق وارث صاحب۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مولانا محمد وارث عمر، مدرس جامعہ دارالعلوم اسلامی مشن بہاولپور۔ رابطہ نمبر: 0307-7799442

زیرِ تبصرہ کتاب انسان سازی، تعمیرِ شخصیت، دینی ودنیاوی کامیابی کے راہنما اصولوں، اور زرّیں اقوال پر مشتمل مجموعہ ہے، جو ایک طالب علم کے مختلف کتب کے مطالعہ اور فہم کا ماحصل، نتیجہ اور نچوڑ ہے۔ اپنے مطالعہ اور فہم کے مطابق انہوں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک کامیاب انسان کیسا ہونا چاہیے؟ اس میں کیا کیا صفات ہونی چاہئیں؟ اسے دینی اور دنیاوی اعتبار سے کن صفات کا حامل ہونا چاہیے؟ کتاب چار بڑے عناوین اور حصوں میں تقسیم ہے: ۱- حصہ اول: تعیینِ منزل۔ حصہ دوم: تعمیرِ شخصیت۔ حصہ سوم: کامیابی۔ حصہ چہارم: تعیینِ منزل میں معاون چیزیں۔ پھر ہر حصہ میں مزید بنیادی، مرکزی اور ذیلی عنوانات ہیں۔

کتاب کا بیشتر مواد اور مندرجات دینی سوچ کے عکاس اور مثبت دینی رہنمائی پر مشتمل ہیں اور کتاب کا موضوع بھی بایں طور دلچسپ ہے کہ یہ ایک حوصلہ افزا اور موٹیویشنل کتاب ہے، جس کا آج کے معاشرے میں بڑا چلن اور رواج ہے، بایں ہمہ واضح رہے کہ اس کتاب میں ذکر کردہ اقوال وافکار اور نتائج ایک طالب علم کے اپنے مطالعہ اور فہم کا انتخاب اور نتیجہ ہیں، جو بہت سوں کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا سبب بھی بن سکتے ہیں، مگر کتاب پڑھتے ہوئے احتیاط کی بھی ضرورت ہے۔ اس حوالہ سے ایک دو گزارشات ہیں:

صفحہ: ۱۳۷ پر نپولین ہل کی کتاب ''سوچیے اور دولت کمایئے'' کو تعمیرِ شخصیت کی بہترین کتابوں میں شامل کیا گیا ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ نپولین ہل یا اس جیسے بے دین اور دہری موٹیویشنل مصنفین کی کتابوں اور نظریات سے مادیت اور دہریت کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے، دین یا آخرت کی کامیابی ثانوی حیثیت اختیار کرجاتی ہے یا بالکل بے حیثیت ہوجاتی ہے۔ یہ مصنفین اپنی کتابوں میں میٹھا زہر خوبصورت برتنوں میں پیش کرتے ہیں، اس طرح کی مادہ پرست موٹیویشنل کتابوں سے ''خذ ما صفا و دع ماکدر'' کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کامیابی سے کوئی بات لینا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی، چہ جائے کہ اس کو پڑھنے کا عمومی مشورہ دیا جائے۔ مغرب میں ایسے ہی مصنفین اور اسپیکر مادیت اور دہریت کی تبلیغ وترویج

کا بڑا سبب ہیں ۔مسلمان موٹیویشنل مصنفین اور اسپیکر حقیقی کامیابی تو اسلامی تعلیمات میں ہی سمجھتے اور باور کراتے ہیں، مگر شاید دانستہ یا نادانستہ خلطِ مبحث کا شکار ہوجاتے ہیں، اور بعض اوقات بجائے رہنمائی کرنے کے مزید گنجلک اور مشکل پیدا کردیتے ہیں اور مادیت پرستی کو دینی اور اسلامی چولا اور لباس پہنانے کی ناکام کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔اس کی ایک مثال اسی کتاب کے صفحہ: ۵۴ پر نپولین ہل کا قول ہے: ''میں نے دنیا کے اکثر لیڈروں کو جھونپڑیوں سے نکلتے دیکھا ہے۔'' اس کے بعد اس کی تشریح یوں کی گئی ہے: ''یعنی غربت ایک ایسا استاذ ہے جو ہر وقت انسان کو سبق پڑھاتا رہتا ہے، جب بھی کوئی غریب کسی مالدار کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں کڑھن پیدا ہوتی ہے میں غریب کیوں ہوں؟ سو وہ مالدار ہونے کے طریقے سوچتا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ دن آجاتا ہے جب وہ بھی مالداروں کی صف میں کھڑا ہوتا ہے۔'' نپولین ہل کے مذکورہ قول اور اس کی تشریح سے قاری کو کیا پیغام دیا جارہا ہے؟ مادیت اور مالداری سے محبت ورغبت، غربت سے نفرت اور کڑھن اور اس سے نجات کے لیے مسلسل کوشش اور طریقے سوچتے رہنا، غربت میں خود کو ناکام سمجھنا اور مالداری میں خود کو کامیاب سمجھنا، وغیرہ جیسے کچھ نتائج اور اسباق اس قول اور تشریح سے سمجھ میں آتے ہیں۔اور آج کی مادیت زدہ موٹیویشن کا محور یہی سوچ اور فکر ہے۔

بہرحال ہمارا مقصد مؤلف کی محنت اور کاوش پر ان کی حوصلہ شکنی کرنا نہیں ہے، بلکہ ہماری نیک تمنائیں اور دعائیں مؤلف کے ساتھ ہیں۔ہم اس گزارش کے ساتھ انہیں حوصلہ افزائی کا مستحق سمجھتے ہیں کہ اس پُرخطر موضوع میں مزید نکھار پیدا کریں اور نظرثانی کرکے ہر اس موضوع، قول اور فکر کو کتاب سے نکال دیں جس کی بنیاد خالص مادیت پر ہو اور جس سے دینی فکر اور سوچ کی تغلیط یا بے وقعتی کا اندیشہ ہو۔

ایک گزارش اور بھی کہ ایک طالب علم جو خود ابھی تعلیم وتربیت اور سیکھنے سکھانے کے مرحلے میں ہے، اسے عصرِ حاضر کے اس پرخطر، ثقیل اور گہرے موضوع پر کتاب لکھنے کی شاید ضرورت نہیں تھی، وہ تو خود ابھی تک ''او خویشتن گم است کرا رہبری کند'' کا مصداق ہے۔اس طرح کی رہنمائی کے لیے پختہ علمی استعداد، گہرا مطالعہ، تجربہ اور دینی عقائد وافکار اور مزاج سے گہری شناسائی، نیز پختہ کار علماء کرام اور بزرگانِ دین کی زیرنگرانی تربیت اور ان کی طویل مصاحبت درکار ہے۔ہماری مذکورہ بالا گزارش کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی موضوع پر لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ایسے ہی موضوعات اور مواقع کے لیے شاید کسی شاعر نے کہا ہے اور کیا ہی خوب کہا ہے:

نہ ہر جائے مَرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

مفہوم یہ ہے کہ: ''ہر جگہ سواری نہیں دوڑانی چاہیے، کچھ جگہیں ہتھیار ڈال دینے کے لیے ہوتی ہیں۔''

بہرحال اُمید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں مذکورہ بالا گزارشات کے مطابق بہتری لائی جائے گی۔

کتاب کا کاغذ متوسط، سیٹنگ اور کمپوزنگ بہتر، ٹائٹل دیدہ زیب اور جلد بندی مضبوط ہے۔